الرسالہ

ISSN 0970-180X

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

نادان لوگ جس چیز کو وقار کا مسئلہ بنا لیتے ہیں
دانش مند کی نظر میں وہ اعراض کا مسئلہ ہوتا ہے

جولائی ۱۹۹۱ □ شمارہ ۱۷۶ □ ۵ روپیہ

تذکیر القرآن

جلد اول : سورۃ فاتحہ ۔ سورۃ بنی اسرائیل

جلد دوم : سورۃ الکہف ۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

AL-RISALA (Urdu) Monthly
The Islamic Centre C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013, India
Telephone: 611128, 697333 □ Telex: 031-61758 FLSH IN ATT IC
Fax: 91-11-353318, 3312601
Annual Subscription: Inland Rs. 60 □ Abroad US $ 25 (Air Mail)

ہدایت کا قانون

صحیح البخاری (کتاب التفسیر) میں سورہ القصص کے تحت یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ وہاں موجود ہیں۔ آپ نے ابوطالب سے کہا کہ اے چچا، لاالٰہ الا اللہ کہہ دیجئے، تاکہ اس کلمہ کی بنا پر میں اللہ کے یہاں آپ کے لیے حجت کرسکوں۔

ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے ابوطالب سے کہا، کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ابوطالب کے سامنے اپنی بات کہتے رہے اور وہ دونوں بار بار اپنی بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر میں ابوطالب نے کہا کہ عبدالمطلب کے دین پر۔ اور انھوں نے لاالٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا (حتّی قال ابوطالب آخرَ ما کلَّمَھُم: علیٰ مِلّۃِ عبد المطّلب وابیٰ ان یقولَ لا الٰہ الا اللہ)

روایت کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارہ میں آیت اتاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تم جس کو چاہو اس کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں (القصص ۵۶)

اس سے وہ قانون معلوم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ دعوت خواہ کتنے ہی زیادہ طاقت ور دلیلوں کے ساتھ بیان کر دی جائے، بہر حال شبہہ کا ایک عنصر (element of doubt) پھر بھی اس میں موجود رہے گا۔ دلیل کی کوئی بھی مقدار شبہہ کے اس عنصر کو ختم نہیں کرسکتی۔ حتی کہ پیغمبر کی شخصیت اور اس کے برتر دلائل بھی ایسا نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی دعوت سے شبہہ کے اس عنصر کا خاتمہ کر دیں۔

شبہہ کے اس پردہ کو پھاڑنا مدعو کا کام ہے، وہ داعی کا کام نہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے، اور اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہیں۔ یہ ہر حال میں انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ شبہہ کے اس پردہ کو پھاڑے تاکہ وہ اس حقیقت کو بے نقاب کو دیکھ سکے۔ شبہہ کا پردہ پھاڑنے کے اس امتحان میں جو شخص پورا اترے، وہ اللہ کے قانون کے مطابق ہدایت کو پالے گا۔ اور جو شخص شبہہ کے اس پردہ کو پھاڑنے میں ناکام رہے، وہ ہدایت کو پانے میں بھی ناکام رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ذریعہ ابوطالب کے سامنے دعوت پوری طرح آچکی تھی۔ مگر شبہہ کا ایک عنصر پھر بھی ان کے لیے باقی تھا۔ وہ یہ کہ کیا یہ میرا بھتیجا اور عبداللہ کا بیٹا حق پر ہے اور سارے اکابر قوم، بشمول عبدالمطلب، غلطی پر تھے۔ ابوطالب شبہہ کا یہ پردہ پھاڑ نہ سکے، اس لیے وہ ہدایت کو قبول کرنے سے بھی محروم رہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جنت ایک خدائی سودا ہے، اور وہ بہت مہنگا سودا ہے (الا ان سلعة اللہ غالیة الا ان سلعة اللہ الجنة)

جو شخص جنت کے اس مہنگے سودے کا خریدار بننا چاہے، اس کو اس کی مطلوبہ قیمت دینی پڑے گی۔ اس قیمت کی ادائیگی کے بغیر وہ جنت کا مالک نہیں بن سکتا۔ وہ قیمت یہی "شبہہ کے عنصر" کو عبور کرنا ہے، وہ شبہہ کے اسی پردہ کو پھاڑنا ہے۔ اسی نازک عمل کی ادائیگی پر آدمی کو دنیا میں ہدایت ملتی ہے اور آخرت میں ابدی جنت۔

جنت ان نفیس اور لطیف روحوں کی آبادی ہے جو تمام ظاہری بڑائیوں سے گزر کر خدا کی چھپی ہوئی بڑائی کو پالیں۔ جو جوہر کی بنیاد پر چیزوں کو پہچاننے کا ثبوت دیں۔ جو ہنگامہ کی دنیا سے نکل کر خاموشی کی بزم میں پہنچ سکیں۔ جو ظواہر سے آگے بڑھ کر حقائق کو دیکھ سکیں۔ جو "اکابر" کے گنبدوں سے اوپر اٹھ کر سچائی کو وہاں دریافت کرلیں جہاں وہ بے گنبد حالت میں ظاہر کی گئی ہے۔

جنت بینا انسانوں کے لیے ہے، وہ اندھے انسانوں کے لیے نہیں۔ وہ اصحاب معرفت کے لیے ہے، وہ ظاہر پرستوں کے لیے نہیں۔ وہ ارباب انکشاف کے لیے ہے، وہ جامد مقلدوں کے لیے نہیں۔ جنت ربانی لوگوں کے لیے ہے، اور بلاشبہہ ربانی لوگوں ہی کو جنت میں داخلہ دیا جائے گا۔

غلط فہمی

عن عائشة، انها فقدته صلى الله عليه وسلم ذات ليلة۔ فظنت انه ذهب الى بعض نسائه فتحسسته فاذا هو راكع او ساجد يقول : سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت۔ فقالت بابى انت و امى، انى لفى شأن وانك لفى شأن آخر

(رواہ احمد ومسلم والنسائی)

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات کو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گھر کے اندر نہیں پایا۔ انھوں نے گمان کیا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے پاس چلے گیے ہیں۔ انھوں نے آپ کو تلاش کیا تو انھوں نے پایا کہ آپ مسجد میں رکوع (یا سجدہ) کی حالت میں ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ، تو پاک ہے اور ساری تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں، میں کسی اور حال میں ہوں اور آپ کسی دوسرے حال میں ہیں۔

حضرت عائشہ نے آپ کو نہ پاکر گمان کیا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے گھر گیے ہیں، حالاں کہ آپ خدا کے گھر گیے تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ آپ کو کسی بیوی کی یاد آگئی، حالاں کہ آپ کو خدائے ذوالجلال کی یاد آئی تھی۔ اسی طرح انسان ظاہر حالات کے اعتبار سے دوسرے شخص کے بارہ میں ایک گمان کر لیتا ہے۔ ابتدائی معلومات کے مطابق وہ اپنے آپ کو درست سمجھتا ہے۔ مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خیال محض ذاتی گمان کی بنیاد پر تھا، حقیقتِ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

غلط فہمی ایک ایسی چیز ہے جس میں صحابی کے درجہ کا ایک انسان بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ پھر عام انسان کے لیے تو اس کا امکان اور بھی زیادہ ہے۔ اس لیے ہر انسان پر یہ لازم ہے کہ اگر کسی کے بارہ میں اس کو غلط فہمی ہو جائے تو وہ اس کی تحقیق کرے۔ تحقیق کے بغیر ہرگز اپنی رائے پر اعتماد نہ کرے

تحقیق نہ کرنے والا بلاشبہ گنہ گار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے آدمی کا کوئی عذر ہرگز سنا نہ جائے گا۔ وہ اپنے اس جرم میں پکڑا جائے گا کہ جب تم کو معاملہ کا پورا علم حاصل نہ تھا تو تم نے کسی بندۂ خدا کے بارہ میں ایک برا خیال کیسے قائم کر لیا۔

غلط فہمی

عن عائشة، انها فقدته صلى الله عليه وسلم ذات ليلة۔ فظنت انه ذهب الى بعض نسائه فتحسسته فاذا هو راكع او ساجد يقول: سبحانك اللّٰهم وبحمدك لا إله الّا انت۔ فقالت بابى انت و امى، انى لفى شأن وانك لفى شأن آخر

(رواه احمد ومسلم والنسائى)

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات کو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گھر کے اندر نہیں پایا۔ انھوں نے گمان کیا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے پاس چلے گیے ہیں۔ انھوں نے آپ کو تلاش کیا تو انھوں نے پایا کہ آپ مسجد میں رکوع (یا سجدہ) کی حالت میں ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ، تو پاک ہے اور ساری تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں، میں کسی اور حال میں ہوں اور آپ کسی دوسرے حال میں ہیں۔

حضرت عائشہ نے آپ کو نہ پاکر گمان کیا کہ آپ اپنی کسی بیوی کے گھر گیے ہیں، حالاں کہ آپ خدا کے گھر گیے تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ آپ کو کسی بیوی کی یاد آگئی، حالاں کہ آپ کو خدائے ذوالجلال کی یاد آئی تھی۔ اسی طرح انسان ظاہر حالات کے اعتبار سے دوسرے شخص کے بارہ میں ایک گمان کر لیتا ہے۔ ابتدائی معلومات کے مطابق وہ اپنے آپ کو درست سمجھتا ہے۔ مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خیال محض ذاتی گمان کی بنیاد پر تھا، حقیقتِ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

غلط فہمی ایک ایسی چیز ہے جس میں صحابی کے درجہ کا ایک انسان بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ پھر عام انسان کے لیے تو اس کا امکان اور بھی زیادہ ہے۔ اس لیے ہر انسان پر یہ لازم ہے کہ اگر کسی کے بارہ میں اس کو غلط فہمی ہو جائے تو وہ اس کی تحقیق کرے۔ تحقیق کے بغیر ہرگز اپنی رائے پر اعتماد نہ کرے

تحقیق نہ کرنے والا بلاشبہ گنہ گار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے آدمی کا کوئی عذر ہرگز سُنا نہ جائے گا۔ وہ اپنے اس جرم میں پکڑا جائے گا کہ جب تم کو معاملہ کا پورا علم حاصل نہ تھا تو تم نے کسی بندۂ خدا کے بارہ میں ایک بُرا خیال کیسے قائم کر لیا۔

قرآن خدا کی کتاب

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اُس کی بابت یہ اعلان کیا تھا کہ ـــــ جن لوگوں نے نصیحت کی اس کتاب کا انکار کیا جب کہ وہ ان کے پاس آگئی، اور بے شک یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکیم وحمید کی طرف سے اتاری گئی ہے (حم السجدہ ۴۱-۴۲)

تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے جب قرآن اترا، اس وقت ان الفاظ کی حیثیت ایک پیشین گوئی کی تھی۔ آج یہ پیشین گوئی ایک تاریخی واقعہ بن چکی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک استثنائی نوعیت کی کتاب ہے۔ وہ ایک ایسے خدا کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو تمام طاقتوں سے زیادہ بڑی طاقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کے مخالفانہ حالات کے باوجود یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اس میں کوئی دخل اندازی یا بگاڑ واقع ہو، نہ براہ راست اور نہ بالواسطہ۔

یہ کوئی سادہ سی بات نہیں، یہ ایک انتہائی غیر معمولی بات ہے۔ اس قسم کے ایک واقعہ کو اسباب کی دنیا میں ظہور میں لانے کے لیے کائناتی طاقتیں درکار ہیں۔ اس کو صرف خداوند عالم ہی ظہور میں لا سکتا ہے۔ اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خداوندِ عالم کی کتاب ہے۔

اس پیشین گوئی کو عالم اسباب میں واقعہ بننے کے لیے ضروری تھا کہ ایک طاقتور انسانی گروہ مستقل طور پر اس کی پشت پر موجود رہے۔ پچھلے نبیوں کی تعلیمات اور اس کی تعلیمات میں غیر مطابقت پیدا نہ ہو۔ کوئی ادیب یا مفکر قرآن کا جواب لکھنے پر قادر نہ ہو۔ کوئی نئی نبوت نبوتِ محمدی کی حریف بن کر نہ ابھر سکے۔ علومِ انسانی کا ارتقاء اس کی کسی بات کو کبھی غلط ثابت نہ کرے۔ تاریخ کا اتار چڑھاؤ کبھی اس پر اثر انداز نہ ہونے پائے۔ قرآن کی زبان (عربی) ہمیشہ ایک زندہ زبان کی حیثیت سے باقی رہے۔ وغیرہ

قرآن کے نزول کے بعد سے اب تک کی لمبی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ تمام اسباب حیرت انگیز طور پر اس کے حق میں جمع رہے ہیں۔ قرآن کے سوا کوئی بھی دوسری کتاب ایسی نہیں جس کے حق میں یہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہو۔

قرآن کا یہ استثنائی معاملہ اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے، وہ کسی جن یا کسی انسان کی تصنیف نہیں۔

کائناتی امکانات

لوہے کا ایک ٹکڑا مقناطیس کے پاس لے جائیں تو لوہا اپنے آپ مقناطیس کی طرف کھنچ اٹھے گا۔ یہ ایک سادہ سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خاص صفات (properties) رکھ دی ہیں۔ انھیں صفات کی وجہ سے یہ ممکن ہوا ہے کہ آدمی ان چیزوں کو مختلف صورتوں میں تبدیل کرکے انھیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ اور اپنے لیے ایک شاندار تمدن کی تعمیر کر سکے۔ آخرت کا عقیدہ اسی کائناتی امکان کی ایک توسیع ہے۔ کائنات کے امکانات آج "تمدن" کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔ یہی امکانات جب "جنت" کی صورت اختیار کرلیں تو اسی کا نام آخرت ہے۔

تمدن وہ تعمیری نتیجہ ہے جو انسان کی کوششوں سے ظہور میں آتا ہے۔ جنت وہ تعمیری دنیا ہے جو خدا کے فرشتوں کے ذریعہ آخری معیاری صورت میں بنائی جائے گی۔ کائناتی امکانات آج خوبصورت مکان، متحرک مشین، شاندار شہر، پُرراحت سامان کی صورت میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ ان امکانات سے آئندہ اسی قسم کی چیزیں زیادہ کامل اور زیادہ معیاری صورت میں بنائی جائیں گی۔ پہلا واقعہ موجودہ دنیا میں ہو رہا ہے، دوسرا واقعہ آنے والی آخرت کی دنیا میں ہوگا۔

ہزار سال پہلے انسان نے جو گھوڑا گاڑی بنائی، وہ بھی کائناتی امکانات کا ایک استعمال تھا۔ آج کا انسان جو آٹومیٹک موٹر کار بناتا ہے، وہ بھی کائناتی امکانات کا ایک استعمال ہے۔ حالاں کہ دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اسی طرح ان امکانات کا ایک اور زیادہ بڑا استعمال ابھی باقی ہے، اور وہ جنتی دنیا کی تعمیر ہے۔ یہ آخری دنیا موت کے بعد آنے والی زندگی میں بنائی جائے گی۔ یہ ان خوش نصیب افراد کا حصہ ہوگی جنھوں نے موجودہ امتحان کی زندگی میں اس کا استحقاق پیدا کیا ہو۔

فطرت کے امکانات کا بار بار بہتر دنیاؤں میں ڈھل جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کا تجربہ آج ہی انسان کو ہو رہا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ فطرت کے یہ امکانات مزید اور زیادہ بہتر دنیا میں ڈھل سکتے ہیں۔ وہ ایک نئی شاندار تر دنیا کی تخلیق کر سکتے ہیں۔ اس معلوم امکان کو جب مذہب کی زبان میں بیان کیا جائے تو اسی کا نام جنت ہے۔

اسلامی انقلاب کا اثر

مغل شہنشاہ جہانگیر (۱۶۲۷ - ۱۵۶۹) کا واقعہ ہے جس کو مولانا شبلی نعمانی نے نہایت موثر انداز میں نظم کیا ہے۔ ان کی یہ تاریخی نظم "عدل جہانگیری" کے عنوان سے ان کے مجموعۂ کلام میں شامل ہے۔ اس واقعہ کے مطابق جہانگیر کی محبوب ملکہ نور جہاں نے ایک شخص کو بلاسبب طپنچہ مار کر قتل کر دیا۔ یہ معاملہ شرعی مفتی کے سامنے پیش ہوا۔ علامہ شبلی کے الفاظ ہیں :

مفتیِ شرع نے بے خوف و خطر صاف کہا   شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن

مفتی کے اس فتویٰ کے بعد نور جہاں، جہانگیر اور تمام درباری اپنے کو بے دست و پا محسوس کرنے لگے۔ بظاہر اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ نور جہاں کو اس جرم کی سزا دی جائے اور مقتول کے بدلے اس کو قتل کر دیا جائے۔ آخر کار مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو گئے اور اس طرح نور جہاں کی جان بچ گئی۔ کیوں کہ :

خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن

بعد کے زمانہ میں جب کہ اسلام کی تاریخ میں بادشاہوں کا دور شروع ہو گیا، اس قسم کے واقعات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سلطانوں کے دربار میں وقت کے علماء ان کی مرضی کے خلاف اسلام کے مسائل بیان کرتے تھے اور کسی سلطان کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اس کے مقابلہ میں انکار اور سرکشی کا مظاہرہ کر سکے۔

اس کی وجہ اسلامی انقلاب کی شدت ہے۔ رسولؐ اور اصحاب رسول کے ذریعہ تاریخ میں جو انقلاب آیا وہ اتنا گہرا اور اتنا شدید تھا کہ ظاہری سطح پر تبدیلیوں کے باوجود مسلم معاشرہ سے کبھی اس کی چھاپ ختم نہ ہو سکی۔ ظالم سلاطین کو بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ کھلے طور پر وہ اسلام اور قرآن کے حکم کی خلاف ورزی کریں۔

تاہم ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ حکمرانوں کے اندر اس مزاج کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے سامنے کلمۂ حق کہا جائے مگر ان کے اقتدار سے ٹکراؤ نہ کیا جائے۔ کلمۂ حق کی حد پر رہنے سے یہ روایت باقی رہتی ہے اور سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کرنے سے یہ روایتی حد ٹوٹ جاتی ہے۔

ایک خبر

۱۲ فروری ۱۹۹۱ کے ٹائمس آف انڈیا اور دوسرے اخبارات میں واشنگٹن کی ڈیٹ لائن کے ساتھ پی ٹی آئی کی ایک رپورٹ چھپی تھی۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا کہ ۱۱ فروری کو دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے سے خلیج کے مسئلہ پر بات چیت کی۔ حالاں کہ دونوں کے درمیان نصف کرۂ ارض کا فاصلہ تھا۔ ان میں سے ایک شخص واشنگٹن میں تھا اور دوسرا شخص عمان میں۔ واشنگٹن میں اے بی سی ٹیلی ویژن کا نمائندہ تھا اور عمان میں بیٹھا ہوا شخص وہ تھا جس کو دنیا اردن کے شاہ حسین کے نام سے جانتی ہے۔ یہ گفتگو اور ملاقات جدید ٹیلی ویژن سسٹم پر ہوئی جو سٹلائٹ کے ذریعہ دونوں کی تصویریں اور ان کی گفتگو ایک دوسرے کو بلا تاخیر پہنچا رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی دنیا میں یہ امکان اس لیے رکھا ہے تاکہ انسان یہ سوچے کہ جس دنیا میں انسان اور انسان کے درمیان اس قسم کی بعید ملاقات ممکن ہے، کیا وہاں خود خدا اور انسان کے درمیان اس قسم کی ملاقات ممکن نہ ہوگی۔ قرآن اور حدیث میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسی ملاقات ممکن ہے اور بلاشبہہ ممکن ہے۔ شرط یہ ہے کہ آدمی اس کے ضروری تقاضوں کو پورا کرے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ سجدہ کرو اور اپنے رب سے قریب ہو جاؤ (واسجد واقترب) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور بندے کی نزدیکی کے لیے "سجدہ" وہی کام کرتا ہے جو انسان اور انسان کی نزدیکی کے لیے سٹلائٹ اور ٹیلی ویژن کرتا ہے۔

حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (کانک تراہ) اسی طرح ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ بندہ جب عبادت اور دعا میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اس وقت اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے (یناجی ربہ) اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے رب کو اس طرح پا سکتا ہے گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

حتی کہ اس پر یہ تجربہ بھی گزر سکتا ہے کہ وہ محسوس کرے کہ وہ اپنے رب سے ہم کلام ہے۔ تاہم یہ قربت اور مشاہدہ اور ہم کلامی تمام تر ایک روحانی تجربہ ہے نہ کہ کوئی مادی واقعہ۔ خدا سے ملنا حدیث کے الفاظ میں، گویا کہ خدا سے ملنا ہے، اور خدا کو دیکھنا گویا کہ خدا کو دیکھنا۔

بھلانے کی ضرورت

خارش کو کھجانے سے خارش بڑھتی ہے۔ مگر جس آدمی کو خارش ہو وہ کھجائے بغیر نہیں رہتا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ تلخ تجربات کا ہے۔ تلخ تجربات کو یاد کرنا صرف نقصان میں اضافہ کرنا ہے۔ مگر اکثر لوگ تلخ تجربات کو اپنی یادوں سے نکالنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

اس دنیا میں ہر آدمی کو تلخ تجربات پیش آتے ہیں۔ زندگی ایک اعتبار سے، ناخوش گوار واقعات کا دوسرا نام ہے۔ ایسی حالت میں تلخیوں کو اور ناخوش گواریوں کو یاد رکھنا اپنے ذہن پر غیر ضروری بوجھ ڈالنا ہے۔ جو قصہ ماضی میں پیش آیا اس کو حال میں یاد رکھنا صرف اپنے دکھ کا تسلسل جاری رکھنا ہے۔ اس کو کسی طرح عقل مندی نہیں کہا جاسکتا۔

آپ کے ساتھ برا سلوک دوسرا شخص کرتا ہے، مگر اس برے سلوک کی یاد خود آپ کے اختیار کی چیز ہے۔ پھر جو کچھ آپ کے دشمن نے کیا، وہی آپ خود اپنے خلاف کیوں کریں۔

ماضی کی تلخیوں کو یاد رکھنا آدمی کے ذہن کو منتشر کرتا ہے۔ وہ آدمی کی صحت کو برباد کرتا ہے۔ وہ آدمی سے اس کا حوصلہ چھین لیتا ہے۔ وہ آدمی کو اس قابل نہیں رکھتا کہ وہ دل جمعی کے ساتھ اپنا کام کر سکے۔ پھر آدمی کیوں اپنے آپ کو اس دہرے نقصان میں مبتلا کرے۔

اس دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کی یہ لازمی شرط ہے کہ آدمی بھلانے کی عادت ڈالے۔ وہ گزرے ہوئے تلخ تجربات کو بھول جائے۔ وہ کھوئی ہوئی چیزوں کے غم میں اپنے آپ کو نہ گھلائے۔ لوگوں کی اشتعال انگیز باتوں کو سن کر وہ اپنے سکون کو برہم نہ ہونے دے۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے غیر متاثر رہ کر اپنا کام کرنا، یہ زندگی کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اور جو لوگ اس راز کو جانیں وہی اس دنیا میں کوئی حقیقی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

کھوئے ہوئے کی تلافی اپنے اختیار میں نہیں، مگر کھوئے ہوئے کو بھلا دینا اپنے اختیار میں ہے۔ ناخوش گوار الفاظ کو فضا سے نکالنا اپنے اختیار میں نہیں، لیکن یہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے کہ ناخوش گوار الفاظ کو اپنے ذہن سے نکال دیں۔ پھر آپ کیوں نہ ایسا کریں کہ ناممکن سے اپنی توجہ کو ہٹا لیں اور ممکن کے حصول کے لیے اپنی ساری توجہ لگا دیں۔

فاصلہ پر رہو

سڑک پر بیک وقت بہت سی سواریاں دوڑتی ہیں۔ آگے سے پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے۔ اس لیے سڑک کے سفر کو محفوظ حالت میں باقی رکھنے کے لیے بہت سے قاعدے بنائے گئے ہیں۔ یہ سڑک کے قاعدے (Traffic rules) سڑک کے کنارے ہر جگہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ سڑک سے گزرنے والے لوگ انھیں پڑھیں اور ان کی رہنمائی میں اپنا سفر طے کریں۔

دہلی کی ایک سڑک سے گزرتے ہوئے اسی قسم کا ایک قاعدہ بورڈ پر لکھا ہوا نظر سے گزرا۔ اس کے الفاظ یہ تھے ــــــ فاصلہ برقرار رکھو :

Keep Distance

میں نے اس کو پڑھا تو میں نے سوچا کہ ان دو لفظوں میں نہایت دانائی کی بات کہی گئی ہے۔ یہ ایک مکمل حکمت ہے۔ اس کا تعلق سڑک کے سفر سے بھی ہے اور زندگی کے عام سفر سے بھی۔

موجودہ دنیا میں کوئی آدمی اکیلا نہیں ہے۔ ہر آدمی کو دوسرے بہت سے انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے اپنا کام کرنا پڑتا ہے۔ ہر آدمی کے سامنے اس کا ذاتی انٹرسٹ ہے۔ ہر آدمی اپنے اندر ایک انا لیے ہوئے ہے۔ ہر آدمی دوسرے کو پیچھے کر کے آگے بڑھ جانا چاہتا ہے۔

یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ ہم زندگی کے سفر میں "فاصلہ پر رہو"، کے اصول کو ہمیشہ پکڑے رہیں۔ ہم دوسرے سے اتنی دوری پر رہیں کہ اس سے ٹکراؤ کا خطرہ مول لیے بغیر ہم اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔

اسی حکمت کو قرآن میں اعراض کہا گیا ہے۔ اگر آپ اعراض کی اس حکمت کو ملحوظ نہ رکھیں تو کہیں آپ کا فائدہ دوسرے کے فائدہ سے ٹکرا جائے گا۔ کہیں آپ کا ایک سخت لفظ دوسرے کو مشتعل کرنے کا سبب بن جائے گا۔ کہیں آپ کی بے احتیاطی آپ کو غیر ضروری طور پر دوسروں سے الجھا دے گی۔

اس کے بعد وہی ہوگا جو سڑک پر ہوتا ہے۔ یعنی حادثہ (accident) سڑک کا حادثہ آدمی کے سفر کو روک دیتا ہے۔ بعض اوقات خود مسافر کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں مذکورہ اصول کو ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی ترقی کا سفر رک جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ خود اپنی زندگی سے محروم ہو جائیں۔ آپ تاریخ کے صفحہ سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیے جائیں۔

اللہ کی ضمانت

دعوت الی اللہ کا کام جب بھی کسی پیغمبر نے کیا، اس کی قوم نے اس کو ستایا۔ یہی معاملہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ آپ نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ مکہ میں بھی آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا جاتا رہا اور مدینہ میں بھی مزید شدت کے ساتھ آپ کی مخالفت جاری رہی۔ اس سلسلہ میں اللہ کی طرف سے آپ کو واضح ضمانت دی گئی۔ ایک آیت یہ ہے :

یا ایھا الرسول بلغ ما أنزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمك من الناس ۔ ان اللہ لایھدی القوم الکافرین (المائدہ ۶۷)

اے پیغمبر، جو کچھ تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے اترا ہے اس کو پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا۔ اللہ یقیناً انکار کرنے والوں کو راہ نہیں دیتا۔

دعوت کا کام خالص خدائی کام ہے۔ یہ اللہ کے منصوبہ کی تکمیل کے طور پر انجام دیا جاتا ہے (النساء ۱۶۵) اس لیے یہ بالکل فطری ہے کہ اس معاملہ میں داعی کو اللہ کی مدد حاصل ہو۔ اس مشکل کام میں اللہ کی مدد کا نہ آنا تعجب خیز ہے نہ کہ اللہ کی مدد کا آنا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دعوتی کام کی ذمہ داری اہل اسلام پر ہے۔ آپ کے بعد آپ کی امت کو وہ کام انجام دینا ہے جو آپ نے اپنی زندگی میں انجام دیا تھا۔ (الحج ۷۸) ذمہ داری کی اس توسیع کا قدرتی تقاضا تھا کہ حق میں بھی توسیع کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اعلان فرمایا کہ وہ تمام لوگ جو اس معاملہ میں پیغمبر اسلام کی پیروی کریں گے وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کی حفاظت میں رہیں گے :

یا ایھا النبی حسبك اللہ و من اتبعك من المومنین (الانفال ۶۴)

اے نبی، اللہ تمہارے لیے کافی ہے اور مومنین کے لیے جنھوں نے تمہارا ساتھ دیا ہے۔

اس آیت کے دو مطلب بتائے گئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہی ہے کہ اللہ تمہارے لیے کافی ہے اور ان کے لیے جنھوں نے تمہارا اتباع کیا (والمعنی حسبك وحسب من اتبعك اللہ) التفسیر المظہری ۴/۱۱۰

مومنین کے لیے اس نصرت کا ذکر قرآن میں مختلف مقامات پر مختلف انداز سے کیا گیا ہے

ایک سنّت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اہل اسلام کے لئے ایک معیاری نمونہ ہے۔ اس سنت کا تعلق زندگی کے تمام معاملات سے ہے، خواہ وہ مسواک جیسا انفرادی معاملہ ہو یا جہاد جیسا اجتماعی معاملہ۔ خواہ وہ آج کا مسئلہ ہو یا ہزاروں برس بعد کا کوئی مسئلہ۔

سنت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک سنت وہ ہے جو اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے مطلوب ہوتی ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ صلّوا کما رأیتمونی أصلّی (مشکوٰۃ المصابیح ۱/۲۱۵) اس حدیث کا تعلق اصلاً نماز کی ظاہری صورت (form) سے ہے۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور خود بھی اسی طرح نماز ادا کی۔ اسی طرح اس کے بعد صحابہ کو دیکھ کر تابعین نے اور تابعین کو دیکھ کر تبع تابعین نے نماز پڑھی۔ یہ سلسلہ نسل در نسل امت میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ آج ہم جو نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی بالواسطہ طور پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی نقل ہوتی ہے۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اونٹ پر بیٹھ کر حج کے مراسم ادا کئے تاکہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اے لوگو، مجھ کو حج کرتے ہوئے دیکھو اور اسی کے مطابق تم حج کے مناسک ادا کرو (خذوا عنی مناسککم)

یہ سنت کی پہلی قسم ہے۔ اس میں یہ مطلوب ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو جس شکل میں کیا ہے، عین اسی شکل میں اس کو ادا کیا جائے۔ اس کو سنت ظاہری کہا جا سکتا ہے۔

دوسری سنت سنتِ معنوی ہے۔ یعنی وہ سنت جو اپنی روح (Spirit) کے اعتبار سے مطلوب ہوتی ہے۔ اس دوسری سنت میں ظاہری شکل اضافی ہے، اور اس کی معنوی روح حقیقی اور اصل مطلوب کی حیثیت رکھتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن ۲۳ سال کے عرصہ میں اترا۔ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ اترتا تو اسی وقت آپ کسی کاتب کو بلا کر اس کو لکھواتے۔ آپ کی خدمت میں ہر وقت کوئی نہ کوئی کاتب موجود رہتا۔ اس طرح کاتبان وحی کی تعداد ۴۰ سے زیادہ شمار کی گئی ہے۔ آپ کو اس کا اتنا زیادہ اہتمام

تھا کہ ہجرت کے نازک سفر میں بھی قلم اور کاغذ آپ کے ہمراہ تھا اور ایک کاتب وحی (ابوبکر صدیق) آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن اس زمانہ کے اوراق اور کاغذات پر لکھا جا چکا تھا۔ بہت سے صحابہ (مثلاً زید بن ثابت انصاری) پورے قرآن کے حافظ تھے۔ آخر عمر میں آپ نے ایک بار پورے قرآن کو سلسلہ وار پڑھا اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس کو براہ راست آپ سے سنا۔ اس کو حدیث کی کتابوں میں العرضۃ الاخیرۃ کہا گیا ہے۔

اس طرح کے مختلف اہتمام کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ایک جلد کی صورت میں جمع نہیں فرمایا۔ آپ کی وفات کے وقت قرآن یا تو لوگوں کے سینہ میں تھا، یا متفرق ٹکڑوں اور اوراق پر لکھا ہوا تھا۔ وہ ایک واحد کتاب کی صورت میں مرتب نہیں ہوا تھا جیسا کہ آج وہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر اس سے باخبر تھے کہ اس صورت حال کو بعد کے لوگ کتاب اللہ کے بارے میں شوشے بنائیں گے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں مستشرقین نے اس واقعہ کو لے کر طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر مستشرقین کی مرتب کردہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) کی پانچویں جلد میں اس مسئلہ کو اٹھایا گیا ہے اور اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کا خیال تھا کہ قیامت کا وقت قریب آگیا ہے اور جلد ہی یہ دنیا ختم ہو جائے گی، اس لئے قرآن کو ایک جلد میں مرتب کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا نہیں ہوا:

ان الرسول کان یتوقع قرب قیام الساعۃ ونھایۃ العالم فی زمن قریب۔ فکان لہ داعی الی جمع القرآن (الوعی الاسلامی، کویت، رمضان ۱۴۱۰ھ)

ان امکانی خطرات کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل کہ آپ نے قرآن کو ایک صحیفہ کی صورت میں مجلد نہیں کرایا، یہ کوئی بھول یا غلطی کی بات نہیں ہے، یہ خود آپ کی ایک سنت ہے۔ ایسا آپ نے قصد و ارادہ کے تحت کیا۔ کیوں کہ اس سے ایک اہم دینی فائدہ وابستہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن دین کو کامل کرنا تھا، اس لئے ناممکن تھا کہ آپ کسی دینی کام کو غیر کامل حالت میں

یہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو موجودہ زمانہ میں ضرورت تھی کہ اس سنت نبوی پر عمل کیا جاتا۔ مثلاً اس کی ایک صورت یہ تھی کہ موجودہ زمانہ میں پریس کی ایجاد اور مواصلات کے جدید ذرائع کے ظہور نے اس کا امکان پیدا کر دیا تھا کہ قرآن کو بآسانی تمام قوموں کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ اب اگر ہمارے رہنماؤں نے اس سنت کو زندہ کیا ہوتا۔ اور وہ قوم کو ابھارتے کہ قرآن کا ہر زبان میں مستند ترجمہ کرو۔ اس کو چھپواؤ۔ اور اس کو ساری دنیا میں پہنچاؤ تو یہ اتنا بڑا کام ہوتا کہ امت پوری کی پوری اس کام میں مشغول ہو جاتی۔ اس رخ پر عمل شروع کرنے کے بعد اس کے بے شمار پہلو نکلتے۔ ہر آدمی اس میں اپنے لئے کرنے کا کام پالیتا۔

اس طرح گویا مسلمان قرآن کو موجودہ زمانہ کے لحاظ سے ازسرنو دریافت (Rediscover) کرتے۔ قرآن دوبارہ ان کے لئے ایک زندہ کتاب بن جاتا جو ان کی پوری زندگی میں دینی بھونچال پیدا کر دیتا۔ مگر بروقت اس قسم کی رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے پوری ملت سیاست کی چٹان پر بے فائدہ طور پر اپنا سر پٹک رہی ہے اور نتیجۃً دین سے بھی محروم ہے اور دنیا سے بھی۔

خون کے بجائے پانی

محمد افضل لادی والا (۵۲ سال) بمبئی کے رہنے والے ہیں۔ ۲۴ جنوری ۱۹۹۱ کی ملاقات میں انھوں نے اپنا ایک واقعہ بتایا۔ ۲۲ جنوری ۱۹۹۱ کو رنگ بھون (دھوبی تلاؤ) میں ایک کلچرل پروگرام تھا۔ افضل صاحب نے اس میں شرکت کی۔ ساڑھے گیارہ بجے رات کو یہ پروگرام ختم ہوا۔ اس سے فارغ ہو کر وہ بمبئی وی ٹی پر آئے اور ٹرین کے ذریعہ کرلا پہنچے۔ اس وقت تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہو چکا تھا۔ اسٹیشن سے رہائش گاہ (ہلاؤ پل) تک تقریباً دو کیلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ انھوں نے چاہا کہ تھری وھیلر کے ذریعہ گھر کے لیے روانہ ہوں۔ تھری وھیلر کے انتظار میں وہ سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک تھری وھیلر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس وقت ان کے منہ میں پان تھا۔ تھری وھیلر کو آواز دینے کے لیے انھوں نے جلدی میں پان کو تھوکا۔ اتفاق سے عین اسی وقت ایک مسافر سائڈ میں آگیا اور افضل صاحب کا پان پورا کا پورا اس کے پاؤں پر جا گرا۔

مسافر فوراً آگ بگولا ہو گیا۔ طیش میں آکر اس نے کہا کہ پان کھاتے ہو اور پان کھانے کی تمیز بھی نہیں۔ مگر افضل صاحب، جو الرسالہ کے مستقل قاری ہیں، انھوں نے گرم الفاظ کا جواب ٹھنڈے الفاظ سے دیا۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں۔ پان کھانا بھی غلط، اور پان کھا کر میں نے جو کچھ کیا وہ بھی غلط۔ وہ آدمی تیز ہوتا گیا۔ مگر افضل صاحب نے اس کی اشتعال انگیز باتوں کا جواب دینے کے بجائے کہا کہ مجھے معاف کیجئے۔ اس نے کہا کہ یہ اچھا ہے کہ کسی کے ساتھ کچھ بھی کر دو، اس کے بعد کہو کہ معاف کر دو۔

افضل صاحب نے کہا کہ بھائی میں رسمی معافی نہیں مانگ رہا ہوں۔ میں دل سے معافی مانگ رہا ہوں۔ اب آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں دھوؤں۔ افضل صاحب نے جب پاؤں دھونے کی بات کہی تو آدمی کچھ نرم پڑا۔ کچھ اور باتوں کے بعد آخر کار وہ راضی ہوا کہ افضل صاحب اس کا پاؤں دھو دیں۔ قریب ہی ایک آدمی پینے کا پانی بیچ رہا تھا۔ افضل صاحب فوراً اس کے پاس گئے اور کہا کہ "چچا، ایک گلاس پانی دینا" افضل صاحب گلاس لے کر آئے تو آدمی بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو دیجئے، میں خود اپنے ہاتھ سے دھو لیتا ہوں۔

آدمی نے اپنے ہاتھ میں گلاس لے کر دھویا۔ ایک گلاس سے پوری صفائی نہیں ہوئی تو افضل صاحب دوڑ کر گئے اور ایک گلاس مزید پانی لے آئے۔ یہاں تک کہ اس کا پاؤں پوری طرح صاف ہو گیا۔ یہ واقعہ

ریلوے اسٹیشن کے باہر پیش آیا۔ گفتگو کے دوران افضل صاحب نے اس آدمی سے کہا: بھائی صاحب، آپ تو "میم" ہیں، اگر آپ "کاف" ہوتے تب بھی مجھے یہی کرنا تھا، کیوں کہ اسلام نے ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے۔ یہ سن کر وہ آدمی افضل صاحب سے لپٹ گیا۔ اس نے کہا کہ بھائی صاحب، میں کاف ہی ہوں۔ اور آپ جیسا مسلمان مجھے اپنی زندگی میں پہلی بار ملا ہے۔ اور اگر دوسرے مسلمان بھی آپ جیسے ہو جائیں تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے۔

اب وہ آدمی بالکل بدل گیا۔ پہلے اس کے اندر غصہ اور انتقام بھڑک اٹھا تھا۔ اب وہ شرمندہ ہو کر افضل صاحب سے کہنے لگا کہ بھائی، مجھ کو معاف کرنا۔ آپ کو میں نے بڑی تکلیف دی۔ میری وجہ سے آپ کو پانی لانا پڑا۔ آپ کا تھری وہیلر بھی چھوٹ گیا۔ افضل صاحب نے کہا کہ مجھ کو شرمندہ نہ کیجئے۔ اس معاملہ میں اصل غلطی تو میری تھی۔ اور میں جو پانی لایا، وہ میرا فرض تھا جو میں نے کیا۔ واقعہ کے شروع میں جو آدمی دوسرے کو غلط بتا رہا تھا۔ واقعہ کے آخر میں وہ خود اپنی غلطی مان کر شرمندہ ہو گیا اور معافی مانگنے لگا۔

جب یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت بمبئی کے علاقہ جوگیشوری میں زبردست فرقہ وارانہ کشیدگی موجود تھی۔ یہ مقام کرُلا سے تقریباً ۵ اکیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ان حالات میں اگر افضل صاحب اشتعال کے جواب میں اشتعال کا انداز اختیار کرتے تو وہی ہوتا جو اس طرح کے مواقع پر دوسری بہت سی جگہوں میں ہو چکا ہے۔ یعنی فرقہ وارانہ فساد اور جان و مال کی تباہی۔ اس کے بعد شاید ایسا ہوتا کہ افضل صاحب خدانخواستہ گھر پہنچنے کے بجائے اسپتال لے جائے جاتے اور علاقہ میں ہندو مسلم فساد برپا ہو کر سیکڑوں خاندانوں کو برباد کر دیتا۔

افضل صاحب نے یہ واقعہ بتانے کے بعد کہا: اس وقت مجھے الرسالہ کی بات یاد آئی۔ یہ الرسالہ کے دیے ہوئے ذہن کا نتیجہ تھا کہ میں اشتعال کے موقع پر مشتعل ہونے سے بچ گیا، اور نتیجۃً اس کے برے انجام سے بھی۔ میرے گلاس بھر پانی نے سیکڑوں لوگوں کو اس بھیانک انجام سے بچا لیا کہ ان کا خون سڑکوں پر بہایا جائے۔ ایک قسم کے الفاظ بول کر آپ آدمی کے ذہن کو غصہ کا تنور بنا سکتے ہیں۔ اور دوسرے قسم کے الفاظ بول کر آدمی کے بھڑکتے ہوئے غصہ کو ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ الفاظ آگ کا کام بھی کرتے ہیں اور برف کا کام بھی۔ یہ بولنے والے کے اپنے اوپر ہے کہ وہ دونوں میں سے کس چیز کا اپنے لیے انتخاب کرتا ہے۔

جاپان میں دعوت

۲۶ اپریل ۱۹۹۱ کو جناب عبد القادر خاں صاحب (پیدائش ۱۹۳۶) سے ملاقات ہوئی وہ بمبئی میں رہتے ہیں (Tel. 2615016) انھوں نے بتایا کہ وہ بین اقوامی نمائش (Expo 70) کو دیکھنے کے لئے ۱۹۷۰ میں جاپان (ٹوکیو) گئے تھے۔ وہاں وہ ایک ہفتہ تک رہے۔

وہ اپنے گروپ کے ساتھ ٹوکیو ایئر پورٹ پر اترے تو وہاں کچھ جاپانی باشندے پہلے سے موجود تھے۔ انھوں نے پیش کش کی کہ آپ میں سے جو صاحب ہمارے ساتھ قیام کرنا پسند کریں، ان کو ہم اپنے گھر لے جانے کے لئے تیار ہیں۔ عبد القادر خاں صاحب جاپانیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے وہ ایک جاپانی کے ساتھ چلے گئے۔

عبد القادر صاحب کو ایک ہفتہ تک اس جاپانی خاندان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ دن کا بیشتر وقت باہر نمائش وغیرہ دیکھنے میں گزرتا۔ شام کو وہ جاپانی کے گھر آجاتے اور رات اس کے یہاں گزارتے تھے۔ چوں کہ جاپانی نے اپنے گھر ٹھہرانے کے لئے کوئی معاوضہ نہیں لیا تھا، ان کو خیال ہوا کہ وہ انھیں کوئی تحفہ دیں۔ چنانچہ انھوں نے ٹوکیو میں جاپانی ساخت کا ایک کیمرہ خریدا اور اس کو اپنے میزبان کے بچہ کو بطور تحفہ پیش کیا۔

جاپانی میزبان نے تحفہ قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیمرہ آپ نے جہاں سے خریدا ہے، اس نے آپ کو اس کی رسید دی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ جاپانی نے بہت نرمی اور شرمندگی کے ساتھ کہا کہ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ وہ رسید ہم کو دے دیں۔ چنانچہ عبد القادر صاحب نے وہ رسید انھیں دے دی۔

تاہم عبد القادر صاحب کے ذہن میں یہ سوال تھا کہ جاپانی نے کیوں ایسا کیا۔ آخر رسید کو لے کر وہ اس کو کیا کرے گا۔ انھوں نے معافی مانگتے ہوئے اپنے جاپانی میزبان سے کہا کہ اگر کوئی ہرج نہ ہو تو آپ مجھے یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں کہ کیمرہ کی رسید کیوں آپ نے طلب فرمائی۔

جاپانی نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ آپ یہاں ٹورسٹ (سیاح) کے طور پر آئے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ ٹورسٹ لوگوں کو جاپانی مصنوعات خصوصی رعایت پر دی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کیمرہ

آپ کو چالیس فی صد کم قیمت پسدیا گیا ہو گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ کیمرہ ملک کے باہر جا رہا ہو۔ مگر اب یہ کیمرہ ملک کے اندر رہے گا اس لئے اب اس پر رعایت کا حق باقی نہیں رہتا۔ آپ سے یہ رسید ہم نے اس لئے لی ہے کہ ہم اس کو لے کر دکان پر جائیں گے اور وہاں اس کی بقیہ قیمت ادا کریں گے۔ تا کہ ہماری وجہ سے جاپان کا قومی نقصان نہ ہونے پائے۔

اس قسم کے واقعات بار بار الرسالہ میں آتے رہے ہیں۔ وہ جاپانیوں کے قومی کیرکٹر کو بتاتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاپانی لوگ کتنے زیادہ با اصول اور باکردار ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جاپان کے باشندے اپنی فطرت پر ہیں۔ وہ اپنے فطری اوصاف پر قائم ہیں۔ اور فطری اوصاف جب شرعی اوصاف کی صورت اختیار کر لیں تو اسی کا نام اسلام ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے کہ جاہلیت میں جو لوگ بہتر ہوں وہی اسلام میں بھی بہتر ہوتے ہیں (خیارکم فی الجاهلية خیارکم فی الاسلام)

ایک سفر میں میری ملاقات ایک جاپانی نومسلم سے ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ جاپانی لوگ اپنی فطری استعداد کی بنا پر اسلام سے بہت قریب ہیں۔ جاپانی قوم بالقوہ طور پر مسلمان ہی ہے:

Japanese people are potentially Muslims.

آج سخت ترین ضرورت ہے کہ جاپانیوں تک اسلام کی دعوت پہنچائی جائے۔ مگر اس کے لئے جاپانی زبان کو جاننا بہت ضروری ہے۔ کاش ہمارے کچھ نوجوان اس مقصد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر سکیں۔ وہ جاپانی زبان سیکھ کر اس میں بخوبی واقفیت حاصل کریں اور پھر جاپان جا کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچائیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ وہ ان لوگوں کو فوراً اپیل کرتا ہے جنھوں نے اپنی فطرت کو بچایا ہو، جنھوں نے اپنی فطرت کو بگڑنے سے محفوظ رکھا ہو۔ □

مشترک کمزوری

دین دیال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) کی طرف سے ایک ماہانہ جرنل نکلتا ہے۔ اس کا نام منتھن (Manthan) ہے۔ اس کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۰ میں شری ناناجی دیش مکھ کا آرٹیکل چھپا ہے۔ اس کا موضوع ہے —— ہندستانی سیکولرزم پر نظر ثانی کی ضرورت :

Our brand of secularism needs a second look.

اس آرٹیکل میں موصوف یہ شکایت کرتے ہیں کہ اس ملک کے ہندو تو تقسیم کے بعد سیکولرزم کے اصولوں پر قائم رہے۔ مگر مسلمان اس پر قائم رہنے کا ثبوت نہ دے سکے۔ اس ذیل میں وہ کہتے ہیں کہ یقیناً مسلمانوں میں کچھ ایسے افراد موجود ہیں جو واقعی سیکولر احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر وہ اپنے آپ کو اپنے فرقہ میں تقریباً غیر موثر اور مکمل طور پر علٰحدہ پارہے ہیں :

Of coarse there are some well-meaning Muslim friends who display genuine secular feelings, but they find themselves almost ineffective and totally isolated within their own community (p. 10)

ہندستانی مسلمانوں کے بارے میں مذکورہ ریمارک سے مجھے اختلاف نہیں۔ مگر میں کہوں گا کہ یہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں، یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترک مسئلہ ہے۔ اس ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت کا مسئلہ ان کی بے شعوری ہے۔ اس بے شعوری کی بنا پر ایسا ہو رہا ہے کہ جو شخص جوش و جذبات کی باتیں کرے وہ دونوں فرقوں میں مقبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور جو شخص سنجیدگی اور حقیقت پسندی کی بات کرے، وہ دونوں فرقوں میں غیر مقبول ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہندوؤں کی اسی کمزوری کا یہ نتیجہ تھا کہ آزادی کے بعد سردار پٹیل کو ملکی سیاست میں بڑا مقام ملا۔ مگر راج گوپال اچاری جیسا لائق آدمی ان کے درمیان عام قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ وغیرہ

آج دونوں فرقوں کی یہی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس کمزوری کو دور کرنے ہی پر ملک کی ترقی کا انحصار ہے، اور اگر یہ کمزوری دور نہ ہوئی تو ملک کو بربادی سے بچانے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوگی۔

عید الاضحیٰ

اسلامی شریعت میں سال کے اندر دو تیوہار مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک عید الفطر۔ دوسرے عید الاضحیٰ۔ اصل اسلامی تیوہار یہی دو ہیں۔ ان کے علاوہ اور جو تیوہار مسلمانوں میں رائج ہیں اور جن کو وہ مختلف تاریخوں میں مناتے ہیں، وہ سب مسلمانوں کے اپنے قومی رواج ہیں۔ ان کا اسلام کی اصل تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

عید الفطر کا تیوہار روزہ کا مہینہ ختم ہونے کے فوراً بعد شوال کی پہلی تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے افطار کی عید۔ یعنی مہینہ بھر کا روزہ رکھنے کے بعد کھانے پینے کی عید۔ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسلمان اس دن شکرانہ کی دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ آپس میں مل کر خوشی مناتے ہیں۔ کھانے پینے اور ملنے جلنے کے پروگرام کرتے ہیں۔

عید الاضحیٰ کا مطلب ہے قربانی کی عید۔ عوام میں اس دوسری عید کو بقر عید کہا جاتا ہے۔ مگر یہ نام غلط ہے۔ اس تیوہار کا نام بقر عید نہیں ہے۔ اس کا صحیح اسلامی نام عید اضحیٰ ہے۔ اس کا مطلب ہے قربانی کی عید۔ یہ دوسری عید قمری سال کے آخری مہینہ میں ذوالحجہ کی دس تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ اس دن مسلمان دو رکعت اجتماعی نماز پڑھتے ہیں۔ قربانی کرتے ہیں اور کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ اور اللہ کی بڑائی کا چرچا کرتے ہیں۔

اسلامی اصول کے مطابق، ان دونوں تیوہاروں میں سے کوئی بھی تیوہار کھیل تماشے یا قومی ہنگاموں کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ دونوں تیوہار انتہائی سنجیدہ عمل کی یاددہانی کے لئے ہیں۔ رمضان کا مہینہ صبر اور برداشت کی تربیت کا مہینہ ہے۔ اس پرمشقت تربیتی کورس سے گزرنے کے بعد عید الفطر آتی ہے جو گویا اس بات کی خوشی کے لئے ہے کہ مسلمانوں نے صبر و برداشت کی تربیت کا مہینہ کامیابی کے ساتھ گزار لیا۔ عید الفطر کا دن صابرانہ زندگی گزارنے کے عہد کا دن ہے نہ کہ بے صبری کے مظاہرے کرنے کا دن۔

عید اضحیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے۔ عید اضحیٰ دراصل قربانی کا سبق ہے۔ یہ عید مسلمانوں کو یہ بتاتی ہے کہ تمہیں زندگی کے امتحان میں اپنی ذات کی قربانی کا ثبوت دینا ہوگا۔ قربانی کے بغیر تم اپنی زندگی

کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا نہیں کرسکتے۔ قربانی کے بغیر تم اللہ کے مطلوب بندے نہیں بن سکتے۔

عید اضحیٰ یا عید قرباں حضرت ابراہیم کی زندگی کی یادگار ہے۔ وہ آپ کے ایک تاریخی عمل کی علامتی یاد دہانی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ عید اضحیٰ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے حضرت ابراھیم کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ حضرت ابراہیم نے وہ عمل آخری مثالی صورت میں کیا جس کو اپنی زندگی میں دہرانے کا عہد عید اضحیٰ کے دن ہر سال کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم ایک پیغمبر تھے۔ وہ چار ہزار سال پہلے عراق میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے لوگوں کو خدا پرستی اور انسانیت کی طرف پکارا۔ مگر آپ کے بھتیجے کے سوا کسی نے آپ کی بات نہ مانی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمدن کی مصنوعی زندگی نے لوگوں سے فطری انسانی اوصاف چھین لئے تھے۔ لوگ سطحی باتوں میں مشغول ہو گئے تھے اور گہری باتوں سے انھیں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔

اس وقت اللہ کی ہدایت پر حضرت ابراہیم نے ایک نئی نسل تیار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ نے اپنے بیٹے اسماعیل کو عرب کے صحرا میں لے جاکر بسادیا۔ وہاں اس وقت انسانی آبادی نہ تھی۔ ہر طرف صرف فطرت کا سادہ ماحول تھا۔ پہاڑ، صحرا، کھلے میدان، سورج، چاند، آسمان، رات اور دن بس اسی قسم کے فطری مناظر تھے جن کے درمیان اسماعیل کو اور ان کی اولاد کو رہنا پڑا۔

اس صحرائی زندگی میں رہنا اپنے آپ کو ذبح کرنے کے ہم معنی تھا۔ کیوں کہ اس وقت وہاں ہر طرف موت کا منظر تھا۔ وہاں اس وقت زندگی کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے بے آب وگیاہ صحرا میں اس طرح بسا کر اپنے بیٹے کو ذبح کیا۔ وہاں کے مشکل ترین ماحول میں دو ہزار سال تک توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ایک نئی نسل بن کر تیار ہوگئی جس کو تاریخ میں بنو اسماعیل کہا جاتا ہے۔ یہ نسل تمدن سے کٹ کر خالص فطرت کے ماحول میں تیار ہوئی تھی۔

بنو اسماعیل اس زمانہ میں بالکل نئے قسم کے انسان تھے۔ مورخین کے بیان کے مطابق، ان میں سے ہر شخص گویا ہیرو تھا۔ ان کے اندر تمام فطری انسانی اوصاف پوری طرح زندہ تھے۔ وہ سچ بولتے تھے، وہ جھوٹ بولنا نہیں جانتے تھے۔ وہ وعدہ پورا کرتے تھے، وعدہ خلافی ان کے لئے ناقابل تصور چیز تھی۔ وہ فیاض تھے، بخیل کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔ وہ کمزور کی مدد کرتے تھے، کمزور کو ستانا یا لوٹنا ان کے نزدیک بہت بڑا جرم تھا۔ وہ جو کچھ کہتے وہی کرتے، اور وہی کرتے جو انھوں

نے اپنی زبان سے کہا ہے۔

یہی وہ اعلیٰ انسانی گروہ تھا جس نے بعد کو پیغمبر اسلام کا ساتھ دیا۔ اسی سے وہ انسانی ٹیم بنی جس نے دنیا میں پہلی بار آزادی اور مساوات کا انقلاب برپا کر دیا۔ سوامی ویویکانند نے اپنے لیٹرز میں لکھا ہے انسانی برابری (equality) کا نظام اگر کبھی قابل لحاظ درجہ میں کسی مذہب نے قائم کیا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے :

Mr experience is that if ever any religion approached to this equality, it is Islam and Islam alone. (p.379).

اسلام نے انسانی مساوات کا جو نظام اپنے دور اول میں قائم کیا، وہ اسی نے اسی مذکورہ نسل کے ذریعہ قائم کیا جو عرب کے صحرا میں عظیم الشان قربانی کے ذریعہ تیار کی گئی تھی۔ اس کے اندر فطری انسانی اوصاف زندہ تھے۔ اسی لئے وہ اس قابل بنی کہ وہ اعلیٰ مقصد کو اپنائے اور قربانی دے کر اس کو عملاً قائم کرے۔ یہ تاریخی کارنامہ ایک عظیم قربانی کا کرشمہ تھا۔

عید اضحیٰ کے موقع پر جانور کی جو قربانی کی جاتی ہے، وہ مذکورہ ابراہیمی واقعہ کی یادگار ہے۔ حضرت ابراھیم نے ایک نئی جاندار نسل تیار کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کیا۔ عید اضحیٰ کا دن اسی قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ عید اضحیٰ کا دن بتاتا ہے کہ زندگی میں کوئی بڑا کام قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ایک نسل تیار کرنا، ایک سماج بنانا، ایک ملک کو آگے بڑھانا، ہر کام اس وقت انجام پاتا ہے جب کہ کچھ لوگ اُس کو اِس طرح اپنا مقصد بنائیں کہ اس کے لئے وہ ہر قربانی دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

عید اضحیٰ کے موقع پر جانور کا ذبح کرنا اسی ذاتی قربانی کا فدیہ ہے۔ اصل قربانی تو اپنی ذات کی ہے۔ عید اضحیٰ کے دن جو جانور ذبح کیا جاتا ہے وہ ذاتی قربانی کی علامت ہے۔ وہ ذاتی قربانی کا عملی یا علامتی عہد ہے۔ چنانچہ قربانی کرنے والا اگرچہ بظاہر جانور ذبح کر رہا ہوتا ہے مگر اس وقت وہ اپنی زبان سے جو دعا پڑھتا ہے اس کے الفاظ یہ ہوتے ہیں :

"بے شک میری عبادت اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا سب کا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ خدایا تجھی نے دیا ہے اور تجھی کو میں لوٹاتا ہوں"

جانور کی قربانی دراصل ذاتی قربانی کا سبق ہے۔ یہ ذاتی قربانی حضرت ابراھیم نے ایک خاص صورت میں دی۔ حالات کے اعتبار سے وہ مختلف صورتوں میں ہر زمانہ میں مطلوب ہوتی ہے۔ کبھی

ایک لیڈر کو قوم کی ترقی کی خاطر ذاتی مقبولیت کو قربان کرنا ہوتا ہے۔ کبھی کچھ افراد کو سماج کی مجموعی بہتری کے لئے ذاتی تقاضوں کو دبانا پڑتا ہے۔ کبھی کسی قوم کی حال کی نسل کو قربان ہونا پڑتا ہے تاکہ اس کی مستقبل کی نسل کامیابی کی منزل تک پہنچ سکے۔ کبھی ایک گروہ کو اپنی خوشیوں سے محروم ہونا پڑتا ہے تاکہ وسیع تر انسانیت کو خوشیوں کی نعمت مل سکے۔

عید اضحیٰ کا پیغام یہ ہے کہ ــــــ قربانی کے لئے تیار رہو۔ جب کبھی کسی بڑے مقصد کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنے کا موقع آئے تو فوراً اپنے آپ کو اس کے لئے قربان کر دو۔ جس طرح آج تم نے ایک جانور کو قربان کیا ہے۔ جانور کی قربانی حقیقۃً ذاتی قربانی کا ایک مقدس عہد ہے۔ اور اللہ کے یہاں قربانی دینے والا وہ ہے جو اپنے اس عہد کو اپنی زندگی میں پورا کر دکھائے۔

عید اضحیٰ دراصل حج کی عظیم عبادت کا ایک جزء ہے۔ حج کی صورت میں ہر سال جو مراسم عرب میں ادا کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب حضرت ابراہیم کی تاریخ کا علامتی اعادہ ہیں۔ حضرت ابراہیم کو ایک خدا پرستانہ انقلاب لانا تھا۔ اس کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اس عمل کے دوران ان پر یا ان کے اہل خانہ پر جو احوال گزرے، انھیں کو حاجی دہراتا ہے۔ حج دراصل حضرت ابراھیم کے حقیقی واقعات کا علامتی اعادہ ہے۔

اسی حج کے عمل کا ایک جزء نماز اور قربانی ہے جس کو انھیں دنوں میں ساری دنیا کے مسلمان مناتے ہیں۔ معروف حج بڑا حج ہے اور عید اضحیٰ گویا چھوٹا حج۔

الرسالہ سمپوزیم

پٹنہ کے الرسالہ ریڈرس فورم کی طرف سے پٹنہ میں ایک سمپوزیم ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ کو کیا جا رہا ہے۔ اس میں زندگی کی تعمیر میں الرسالہ کے رول پر مذاکرہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ دوسرے مقامات کے قارئینِ الرسالہ بھی وقتاً فوقتاً اپنے یہاں اس قسم کے مذاکرات کا اہتمام کریں۔ پٹنہ کے مذکورہ سمپوزیم کے لیے مقامی لوگ حسب ذیل پتہ پر رابطہ قائم فرمائیں :

ایم ٹی خان ، سی ۔ ۳۰ عدالت گنج ، پٹنہ ۱ ۔ ٹیلی فون : ۲۲۳۹۴۱

ایک غلطی بھی

ایک بار میں ایک دیہات میں گیا ہوا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے نیم کا درخت کاٹا اور اس کے بعد اس کے تنہ کا چھلکا اتارنے لگا۔

"آپ اس کا چھلکا کیوں اتار رہے ہیں" میں نے دیہات کے اس آدمی سے پوچھا۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا: "اگر چھلکا نہ اتارا جائے تو اس کے اندر کیڑے لگ جائیں گے اور لکڑی کو خراب کر دیں گے۔"

یہ ۱۹۶۵ کی بات ہے۔ اگست ۱۹۷۵ میں دوبارہ مجھے ایک اور دیہات میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ نیم کا ایک کٹا ہوا تنہ پڑا ہے۔ ایک شخص نے اپنے گھر کے پاس نیم کا ایک درخت کاٹ دیا تھا مگر اس کا چھلکا نہیں اتارا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے دس سال پہلے والی بات یاد آئی۔ میں نے سوچا کہ تجربہ کرکے دیکھوں کہ اس کی بات صحیح تھی یا نہیں۔ میں نے اس کے گھر کے ایک آدمی سے کہا کہ کوئی اوزار لاؤ اور اس کا چھلکا اتارو۔ جب اس نے چھلکا اتارا تو میں نے دیکھا کہ چھلکے کے نیچے ایک انچ کے موٹے موٹے کیڑے ہیں۔ یہ کیڑے نہایت نرم تھے مگر انھوں نے تنہ کی سطح کو جگہ جگہ اس طرح کاٹ ڈالا تھا جیسے اس کے اوپر نالیاں بنائی گئی ہوں۔

یہ قدرت کا نظام ہے۔ قدرت اس طرح سبق دیتی ہے کہ اس دنیا میں تم کو نہایت محتاط رہ کر زندگی گزارنا ہے۔ کیوں کہ دنیا کا نظام اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہاں ایک غلطی تمہاری ساری خوبیوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ ایک غفلت تمہارے سارے امکانات کو برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ قدرت یہ کر سکتی تھی کہ چھلکا اتارے بغیر نیم کے تنہ کو محفوظ رکھتی۔ مگر اس نے یہ قانون بنا دیا کہ اس کا مالک اس کا چھلکا اتارے۔ اس کے بعد ہی اس کا تنہ اس دنیا میں محفوظ رہ سکے گا۔

اس قانون قدرت کا انطباق اب انسانی زندگی میں دیکھئے۔ کیوں کہ انسان کی دنیا میں بھی وہی قانون رائج ہے جو فطرت کی دنیا میں پایا جاتا ہے۔

۱۹۴۴ میں جون پور (یوپی) کے دو آدمیوں نے مل کر کاروبار شروع کیا۔ ابتدائی سرمایہ

ان لوگوں کے پاس چند سو سے زیادہ نہیں تھا۔ مگر ان کے مشترکہ کاروبار میں خدا نے برکت دی اور چھ سال میں ان کے کاروبار کی حیثیت ۳۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ اب دونوں میں اختلاف شروع ہوگیا اور نتیجہ علاحدگی تک پہنچا۔ ایک ثالث کے مشورہ سے طے ہوا کہ کاروبار تقسیم نہ کیا جائے، بلکہ اس کی مالیت کا اندازہ کرکے اس طرح بٹوارہ ہو کہ ایک شخص نصف کے بقدر رقم لے لے اور دوسرے کو اثاثہ سونپ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایک شخص کو مال و اسباب اور دوسرے کو نقد پندرہ ہزار روپے دے دئے گئے۔

۱۹۴۹ میں پندرہ ہزار روپے آج کی قیمت کے لحاظ سے کئی لاکھ روپے کے برابر تھے۔ جس شخص نے نقد رقم لی تھی، اس نے جون پور کے ایک بازار میں کپڑے کی دکان کھول لی۔ انھیں شروع ہی سے بڑا اچھا میدان ملا اور ایک سال میں ان کا سرمایہ دگنا ہوگیا۔ اپنے کاروبار کے دوسرے سال میں وہ اس طرح داخل ہوئے کہ ان کے سامنے ترقی اور کامیابی کا ایک نہایت وسیع دروازہ کھلا ہوا تھا۔

مگر اب ایک کمزوری نہایت آہستگی سے ان کے اندر داخل ہوگئی۔ وہ خرچ کے بارے میں لاپروا ہوگئے۔ اپنی ذات پر، بیوی بچوں اور دوستوں پر ان کا خرچ بے حساب بڑھ گیا۔ وہ بھول گئے کہ دن بھر کی بکری سے ایک ہزار روپے جو ان کے گلہ میں آئے ہیں، ان میں سے صرف ۱۰ فیصد ان کا ہے۔ باقی ۹۰ فی صد مہاجن کا ہے۔ وہ اپنے گلہ کی رقم اس طرح خرچ کرنے لگے گویا یہ سارا روپیہ ان کی آمدنی ہے، ٹھیک ویسے ہی جیسے وکیل کی جیب میں فیس کی جو رقم آتی ہے وہ سب اس کی آمدنی ہوتی ہے۔

دکان داری کے ساتھ اس قسم کی شاہ خرچی نہیں چل سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال میں وہ دیوالیہ ہوگئے۔ ان کے پاس پندرہ ہزار میں سے ایک روپیہ بھی باقی نہ رہا۔

اس واقعہ کے بعد وہ تقریباً پندرہ سال تک زندہ رہے۔ مگر دوبارہ کوئی کام نہ کرسکے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ تم ایک "چلہ" دے دو تو تمہارا کام بن جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کیا۔ مگر قانون قدرت کی خلاف ورزی کی تلافی چلہ کے ذریعہ نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ ان کی حالت بگڑتی رہی۔ یہاں تک کہ پریشانی کے عالم میں وہ ۱۹۷۱ میں ایک جیپ سے ٹکرا گئے اور سڑک ہی پر ان کا

انتقال ہوگیا۔

زندگی میں ایک غلطی بھی سارے امکان کو برباد کر دیتی ہے اور آدمی کو ناکامی کے آخری کنارے پہنچا دیتی ہے۔

یہی قاعدہ زندگی کے تمام معاملات کا ہے۔ یہاں ہر "نیم" کے ساتھ ایک کیڑا ہے۔ یہاں ہر معاملہ کے ساتھ اس کی ایک کمزوری لگی ہوئی ہے۔ آدمی کو ان کمزوریوں سے آخری حد تک محتاط رہنا ہے۔ وہ جس معاملہ میں بھی غفلت برتے گا، اس کی کمزوری اپنا کام کرے گی اور اس کے سارے معاملہ کو بگاڑ کر رکھ دے گی۔

نیم کے درخت کا مالک اگر کیڑے کے خلاف احتجاج کرے تو کبھی ایسا ہونے والا نہیں کہ نیم کے تنہ میں کیڑے نہ لگیں۔ اس کیڑے کا وجود قانون قدرت کے اذن کے تحت ہے۔ اور جس چیز کے پیچھے قانون قدرت کا اذن شامل ہو، اس کو ختم کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں۔

اسی طرح انسانی زندگی کے معاملات میں جو "کیڑے" لگتے ہیں، وہ بھی قانون قدرت کی بنا پر ہیں۔ وہ بہرحال باقی رہیں گے۔ ان کے خلاف احتجاج اور شکایت کا طوفان برپا کرنا سراسر لاحاصل ہے۔ ان کے مقابلہ میں ہم کو بچاؤ کی تدبیر تلاش کرنا ہے نہ کہ ان کے خلاف احتجاجی نعرے لگانا۔

بچاؤ یا تحفظ اس دنیا کا ایک مستقل اصول ہے۔ اس دنیا میں وہی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں جو اپنے بچاؤ کا اہتمام کرتے ہوں۔ جو لوگ اپنے بچاؤ کی طرف سے غافل ہو جائیں، ان کے لئے خدا کی اس دنیا میں ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں۔

الرسالہ کا قاری وہ ہے
جو الرسالہ کو ایک سے زیادہ بار پڑھے

الرسالہ کو پسند کرنے والا وہ ہے
جو الرسالہ کی ایجنسی لے کر اس کو پھیلائے

اتوار کی صبح کو میں اور صغیر اسلم صاحب فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آئے تو ان کے مکان کے گیٹ پر اخباروں کا ایک بڑا بنڈل پڑا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ کیسا اخبار ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک اخبار ہے۔ اتوار کو خاص طور پر وہ لوگ بہت زیادہ صفحات شامل کرتے ہیں۔ پھر انھوں نے لطیفہ سنایا کہ میرے بھائی وطن سے آئے۔ صبح کو اسی طرح انھوں نے اخبار کا بنڈل دیکھا تو کہنے لگے غلطی سے وہ سارے محلہ کا اخبار یہیں چھوڑ گیا۔

ایک سفید فام امریکی نے بتایا کہ وہ ایک جاب کے سلسلے میں کچھ دنوں مصر میں رہا ہے۔ اس نے کہا کہ وہاں مسلمانوں کو مجھے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مجھ کو اسلام کا طریقہ بہت اچھا لگا۔" اسلام کی کون سی بات آپ کو اچھی لگی"۔ اس سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ وہاں میں نے دیکھا کہ مسلمان اپنے والدین کو عزت کے ساتھ ابی (میرے باپ) اور اُمّی (میری ماں) کہتے ہیں۔ ہم لوگ امریکہ میں اپنے والدین کو عام آدمیوں کی طرح صرف ان کے نام سے پکارتے ہیں۔ مجھ کو امریکی طریقہ کے مقابلہ میں اسلام کا طریقہ زیادہ پسند ہے۔

امریکہ میں آزادانہ تہذیب کے نتیجہ میں وہ رشتہ بالکل ٹوٹ گیا ہے جو فطری طور پر والدین کے ساتھ اولاد کا ہوتا ہے۔ انسان اب بھی اپنی سابقہ فطرت پر پیدا ہو رہے ہیں، مگر عملی ماحول فطرت کی اس آواز کے مطابق نہیں۔ اس طرح فطرت اور معاشرتی ماحول کے درمیان عدم مطابقت پیدا ہوگئی ہے۔ انسان اپنے آپ کو ایک مصنوعی قید میں محسوس کرنے لگا ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کی دعوت کے زبردست مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر یہ مواقع اسلام کی دعوت کو روحانی انداز میں پیش کرنے کے لئے ہیں نہ کہ اسلام کی دعوت کو سیاسی انداز میں پیش کرنے کے لئے۔

۲۱ جون ۱۹۹۰ کو شمالی ایران میں جو زلزلہ آیا تھا اس کا مرکز دیلم تھا، مگر اس کے ہلکے جھٹکے سوویت یونین کے اندر آذربائیجان تک محسوس کئے گئے۔ اس زلزلہ میں تقریباً ۶۰ ہزار آدمی مر گئے۔ اور اس سے کئی گنا زیادہ تعداد میں زخمی ہوئے۔ اس طرح کے زلزلوں میں موت کا زیادہ بڑا سبب مکانوں کا گرنا ہوتا ہے۔ اگر مکانات نہ گریں تو بہت کم موتیں واقع ہوں۔ امریکہ میں بھی زلزلے آتے ہیں۔ مگر یہاں اتنا زیادہ جانی نقصان نہیں ہوتا جتنا ایران اور روس میں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

یہاں مکانات بالکل دوسرے انداز سے بنائے جاتے ہیں۔

ارضیاتی سائنس میں غیر معمولی ترقیوں کے باوجود، زلزلہ کی پیشین گوئی ابھی تک ایک مایوس کن شعبۂ علم (Frustrating Science) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کا امکان نہیں کہ لوگوں کو زلزلہ کی آمد کی پیشگی اطلاع دے دی جائے اور لوگ گھروں سے باہر نکل آئیں۔ البتہ ایک چیز بڑی حد تک ممکن ہے، اور وہ ہے مکانات کو اس طرح بنانا کہ وہ زلزلہ کے جھٹکے کو سہ لیں اور گرنے سے بچ جائیں۔

اس مقصد کے لئے موجودہ زمانہ میں ارتھ کوئیک انجینئرنگ وجود میں آئی ہے۔ اس کے مطابق اب ترقی یافتہ ملکوں میں ایسے مکانات بنائے جاتے ہیں جن کا ڈھانچہ (Floating foundations) (فلوٹنگ فاؤنڈیشن) کے اصول پر بنایا جاتا ہے۔ زلزلہ کے جھٹکے آتے ہیں تو یہ مکانات زیادہ تر ہلتے ہیں، وہ گرتے نہیں پڑتے۔

امریکہ میں سان فرانسسکو بھی اسی طرح زلزلہ کا علاقہ ہے جس طرح ایران کا شمالی حصہ زلزلہ کا علاقہ ہے۔ ۱۹۸۹ میں سان فرانسسکو میں تقریباً اسی شدت کا زلزلہ آیا جیسا کہ ایران کا مذکورہ زلزلہ تھا، مگر سان فرانسسکو کے اس زلزلہ میں صرف ۵، ۲ موتیں ہوئیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سان فرانسسکو کے مکانات جدید ٹکنیک کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

ایران کے زلزلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اخبار نے لکھا تھا کہ ایران ایک زلزلہ والے علاقہ میں واقع ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اپنے تیل کی دولت کا ایک حصہ خطرہ والے مقامات پر زلزلہ روک مکانات کی تعمیر پر لگائے جو فطرت کے غضب کا شکار ہوتے رہتے ہیں:

Iran, sitting on a veritable seismic volcano, must divert part of its oil-rich economy to building quake-resistant structures at places which have been subjected to nature's fury.

ایران کا نام نہاد اسلامی انقلاب امریکہ سے نفرت کی بنیاد پر آیا۔ ایران کی طاقت کا سب سے بڑا حصہ یہ ثابت کرنے پر صرف ہو رہا ہے کہ امریکہ شیطان اکبر ہے، ایسی حالت میں اگر وہ امریکہ سے کوئی مفید سبق نہ لے سکا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کا

حال عام طور پر یہی ہے۔ موجودہ زمانہ کا مسلمان اقوام غیر کی نفرت میں جیتا ہے، اس لئے وہ ان سے تعمیری سبق نہیں لے پاتا۔

ایک تعلیم یافتہ مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ وہ اصلاً ہندستانی ہیں، مگر عرصہ سے امریکہ میں رہ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیوں آپ نے انڈیا کو چھوڑ کر امریکہ میں رہنا پسند کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہاں پیس (امن) ہے، جبکہ انڈیا میں پیس نہیں۔

میں نے کہا کہ بات یوں نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ آپ لوگ امریکہ میں پیس کی قیمت ادا کر رہے ہیں، اس لئے یہاں آپ لوگوں کو پیس حاصل ہے۔ انڈیا میں آپ پیس کی قیمت دینے کے لئے تیار نہیں، اس لئے وہاں آپ کو پیس بھی حاصل نہیں۔

انھوں نے کہا کہ اس کا کیا مطلب۔ میں نے ان کو منارہ (The Minaret) کا شمارہ (Fall 1989) دکھایا۔ یہ امریکہ کا ایک اسلامک میگزین ہے جو لاس اینجلیز سے شائع ہوتا ہے۔ مذکورہ شمارہ میں ایک مسلمان کا انٹرویو چھپا ہے۔ وہ کیلی فورنیا کے اسلامک سنٹر کے ترجمان ہیں۔ نیز امریکہ کی مسلم پبلک افیرس کے اکزیکیٹو ڈائرکٹر ہیں۔ انٹرویو کا ایک سوال وجواب یہ تھا :

Q. What about cases of discrimination and violence against Muslims during the decade?

A. Such incidents multiplied in the 80's. Mosques were the target of vandalism. Muslim leaders were attacked verbally and physically. People like Ismail Farooqi and Yusuf Bilal were killed. In a pluralistic society where several interest groups work to outdo each other, these kinds of brutal acts are not uncommon. What was sad was that the Muslim community did not pursue these cases vigorously. Farooqi is almost forgotten. So is Bilal.

سوال : پچھلے دہے میں امریکی مسلمانوں کے خلاف امتیاز اور تشدد کی حالت کیسی رہی۔

جواب : اس دہے کے دوران ہر قسم کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ امریکہ میں مسجدیں غارت گری کا نشانہ بنیں۔ وہاں مسلم رہنماؤں پر زبانی اور جسمانی حملے کئے گئے۔ اسماعیل فاروقی اور یوسف بلال جیسے لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ مشترک سماج جس میں مفادات رکھنے والے گروہ ایک دوسرے کے خلاف سرگرم ہوں، وہاں اس قسم کے وحشیانہ واقعات غیر معمولی نہیں ہیں۔ مگر جو بات رنج کی ہے وہ یہ کہ یہاں کے مسلمانوں نے ان کے لئے زور دار طور پر کچھ نہیں کیا۔ فاروقی کو تقریباً بھلا دیا گیا ہے، اور اسی طرح بلال کو بھی۔

میں نے کہا کہ اس قسم کے واقعات انڈیا میں ہوتے ہیں تو وہاں کے مسلمان ان کے خلاف جلسے جلوس کے ہنگامے کھڑے کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں کش مکش بڑھتی ہے جو عمومی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس امریکہ کے مسلمان، ان واقعات کو نظرانداز کرتے ہیں، اس لئے یہاں عمومی فساد کی نوبت نہیں آتی۔

اشالی ورما ایک ہندستانی نوجوان ہیں۔ وہ پچھلے ایک سال سے امریکہ میں رہتے ہیں۔ ہندستان میں انھوں نے انگلش اسکول میں تعلیم پائی۔ انگریزی لٹریچر کا کثرت سے مطالعہ کیا۔ اب وہ کافی اچھی انگریزی بولتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ امریکی ان کی باتیں سن کر کہتے ہیں کہ تم تو ابھی ایک سال سے امریکہ میں ہو اور تم اتنی اچھی انگریزی بول رہے ہو :

You've only been here a year and you speak English so well!

انھوں نے کہا کہ عام امریکی بیرونی دنیا کے بارہ میں بہت کم جانتا ہے۔ مجھے یہ جان کر سخت دھکا لگا کہ اگرچہ ہم امریکہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر خود امریکی بقیہ دنیا کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے :

It came as a shock to me that, though we knew everything about America, the Americans knew next to nothing about the rest of the world.

امریکیوں کا یہی حال اسلام کے بارہ میں ہے۔ عام امریکی اسلام کے بارہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ایک امریکی نے گفتگو کے دوران کہا کہ ہم نے اسلام کے بارہ میں پہلی بار اس وقت جانا جب ہم نے سنا کہ ایران میں اسلامک ریولیوشن آگیا ہے اور وہاں کی اسلامی گورنمنٹ نے امریکی سفارت خانہ میں کام کرنے والے امریکیوں کو یرغمال (hostage) بنالیا ہے، اور جو لوگ ان کے مخالف ہیں ان کو پکڑ پکڑ کر انھیں گولی ماری جارہی ہے۔

مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ مغربی میڈیا مسلم دنیا کے صرف برے واقعات کو نمایاں کرتا ہے۔ مگر یہ شکایت بالکل بے معنی ہے کیوں کہ موجودہ دنیا میں ہمیشہ یہی ہوگا۔ خود مسلمانوں کے اخبار اور رسالے اور کتابوں میں مغربی دنیا کے صرف برے واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔ پھر ایسی شکایت سے کیا فائدہ۔

اس مسئلہ کا حل شکایت نہیں۔ اس کا حل صرف دو میں سے ایک ہے۔ یا تو مسلمان ایک

عالمی میڈیا پیدا کریں اور اس کو اتنا ترقی یافتہ بنائیں کہ دوسری قومیں اس کو دیکھنے اور پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور اگر مسلمان ایسا نہیں کر سکتے تو دوسری ممکن صورت یہ ہے کہ وہ ان واقعات سے آخری حد تک اپنے آپ کو بچائیں جن کو مغربی میڈیا "دہشت گردی" کا عنوان دے کر اپنے یہاں پیش کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور صورت اس بد نامی سے بچنے کی نہیں ہو سکتی۔

امریکہ میں حال ہی میں ایک کتاب جاپان کے بارہ میں چھپی ہے۔ اس کے مصنف ۵۰ سالہ امریکی عالم معاشیات پیٹ کوٹ ہیں اور اس کا نام ہے اثرورسوخ کے ایجنٹ :

Pat Choate, *Agents of Influence.*

اس کتاب پر دو صفحہ کا تبصرہ امریکی جریدہ ٹائم (۸ اکتوبر ۱۹۹۰) میں چھپا ہے۔ اس تبصرہ کا عنوان ہے ـــــ کیا واشنگٹن جاپان کی جیب میں ہے :

Is Washington in Japan's Pocket?

یہ ایک معلوماتی کتاب ہے۔ اس میں بہت سے اعداد و شمار جمع کئے گئے ہیں۔ اور یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ امریکہ میں جاپان کی تجارتی کامیابی کا خاص راز جاپان کی تجارتی لابی ہے۔ جاپان کی تجارتی کمپنیاں امریکہ کے بڑے بڑے سابق افسران کو بھاری قیمت دے کر خرید لیتی ہیں اور ان کے ذریعہ امریکہ میں اپنے تجارتی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ جاپان تقریباً ایک سو ملین ڈالر (\$ 100 million) سالانہ خرچ کرتا ہے۔ حتی کہ امریکہ کے سابق صدر رونالڈ ریگن کو جاپان بلایا گیا تاکہ وہ وہاں لکچر دیں۔ اس کے لئے ریگن کو ۲ ملین ڈالر ادا کئے گئے۔

اس قسم کے اعداد و شمار بظاہر صحیح ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک مبالغہ آمیز بات ہے کہ صرف اس چیز کو جاپان کی اقتصادی کامیابی کا سبب بتایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جاپان کے اندر اگر ذاتی صلاحیت نہ ہوتی تو محض "لابی" کی تدبیر اختیار کر کے وہ کبھی کامیابی کا مقام حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کی بیشتر تعداد وہ ہے جس کی دلچسپیوں کا مرکز صرف "ڈالر" ہے۔ تاہم ایک تعداد وہ ہے جو اسلام کے بارے میں لکھتی اور بولتی ہے۔ ان لوگوں سے آپ بات کریں تو وہ متفقہ طور پر کہیں گے کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن امریکہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ہمارے بزرگ رہنما ۱۹۴۷ سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ برطانیہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

میں دونوں ہی گروہوں کو نادان سمجھتا ہوں۔ یہ ایک سطحی طرزِ فکر ہے کہ کسی شخص یا کسی قوم کو نامزد کرکے کہا جائے کہ بس یہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ تاہم دونوں گروہوں میں ایک فرق ہے۔ ماضی کے بزرگوں نے جس برطانیہ کو اسلام کا دشمن سمجھا، اس سے انھوں نے مکمل طور پر قطع تعلق کرلیا، مگر حال کے اسلام پسند جس امریکہ کو دشمن بتاتے ہیں وہ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو ڈالر کے عوض عین اسی دشمن کے ہاتھ فروخت کئے ہوئے ہیں۔

ہماری قیادت کا دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے "ہندو دشمن" سے بچنے کے لئے پاکستان بنایا مگر جب پاکستان بن گیا تو معلوم ہوا کہ ترقی کے تمام اعلیٰ ذرائع باہر کے "اسلام دشمن" ملکوں میں ہیں۔ چنانچہ پاکستان بننے کے بعد وہاں کے تمام بہترین دماغ مملکت خداداد سے نکل کر امریکہ جیسے ملکوں میں پہنچ گئے۔ آج پاکستان کے پاس اپنی قوم کا صرف "بھس" ہے۔ اس کا "گندم" تقریباً سب کا سب امریکہ کی سرزمین میں اتر چکا ہے اور اسی طرح دوسرے مغربی ملکوں میں۔

امریکی آدمی اگر آپ کو کسی پارک میں، ہوائی جہاز میں، ایرپورٹ پر یا اور کسی مقام پر ملے تو بظاہر وہ آپ سے بالکل غیر متعلق دکھائی دے گا۔ لیکن اگر آپ اس سے کہیں کہ "معاف کیجئے، کیا میں آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں" تو وہ فوراً آپ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور پوری دلچسپی کے ساتھ آپ کے سوال کا جواب دے گا۔

ایک امریکی سے میں نے پوچھا کہ کیا امریکی لوگوں کا کیس کھوئی ہوئی روح (Lost souls) کا کیس ہے۔ وہ ہنسا۔ اس نے کہا کہ مشرق کے لوگ ہمارے بارہ میں ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقۃً ایسا نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ مگر حال میں نیو واشنگٹن پوسٹ نے اے بی سی (ABC) کے ذریعہ جو اوپی نین پول کرایا ہے، اس کی رپورٹ بتاتی ہے کہ امریکہ اس وقت بڑے پیمانہ پر ایک قومی مایوسی (national pessimism) میں مبتلا ہے۔ اس پول کے مطابق، ستر فی صد، یعنی ہر پانچ میں سے چار امریکی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا ملک غلط راستہ پر چلا گیا ہے:

> Seventy per cent, or four out of five Americans,
> feels that their country has gone off on the wrong track.

یہ سن کر وہ دیر تک چپ رہا۔ پھر سنجیدگی کے ساتھ بولا کہ ـــــــ اس مادی دنیا میں خوشی ہمیشہ

ایک نہ ملنے والی چیز بنی رہے گی۔ مگر اس کی تلاش کی خوشی بھی بہت قیمتی ہے جس میں آدمی ساری عمر لگا رہے۔ اکثر امریکیوں کا یہی خیال ہے:

Happiness must ultimately remain an elusive commodity in this mortal world but the pleasures of its pursuit are well worth spending a lifetime on. Most Americans seem to believe this.

یہ مجبوری بھی کیسی عجیب ہے کہ آدمی خوشی کو تلاش کرنے پر مجبور ہو مگر وہ خوشی کو کبھی پا نہ سکے۔

۳۰ نومبر کو صغیر اسلم صاحب کے گھر والے نہیں تھے۔ دوپہر کو انھوں نے خود کھانے کا انتظام کیا۔ جدید طرز کے باورچی خانہ میں کھانے کی میز کے سامنے بیٹھ گیا۔ انھوں نے فریج سے سالن نکال کر اس کو پلیٹ میں رکھا اور اس کو گرم کرنے کے لئے مائکروویو اوون (microwave Oven) کے خانہ میں ڈال کر بند کر دیا۔ اس کے بعد ۶۰ سکنڈ پر ایڈجسٹ کرکے اس کا سوئچ دبا دیا۔ اب اوون کے اوپر روشن حروف میں الٹا شمار (count down) ہونے لگا۔ ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، اس طرح ایک ایک سکنڈ گھٹتا رہا۔ یہاں تک کہ زیرو پر پہنچ کر خاص آواز میں ایک سیٹی بجی اور پھر وہاں روشن حروف میں ختم (end) لکھ اٹھا۔

میں نے کہا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انتہائی قطعیت کے ساتھ دنیا کی عمر مقرر کرکے اس کا سوئچ دبا دیا ہے۔ اب ہر لمحہ اس کاؤنٹ ڈاؤن ہو رہا ہے۔ جیسے ہی یہ کاؤنٹ ڈاؤن اپنی آخری گنتی پر پہنچے گا صور کا خدائی بگل بج جائے گا۔ یہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہوگا۔ اس کے بعد آخرت کی دنیا شروع ہوگی۔ اور پھر خدا کے وفادار بندے کامیاب قرار دئے جائیں گے اور جن لوگوں نے سرکشی کی وہ ناکامیوں کے غار میں دھکیل دئے جائیں گے تاکہ ابد تک اس میں حسرت والم کے ساتھ پڑے رہیں۔

صغیر اسلم صاحب (پیدائش ۱۹۵۱) اس بات کی مثال ہیں کہ ایک شخص اپنے کردار سے اغیار کی نظر میں بھی کتنا زیادہ قابل قدر بن سکتا ہے۔ یہاں میں نے صغیر اسلم صاحب کی ایک فائل دیکھی۔ اس سے ایک بڑی سبق آموز بات معلوم ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں۔

امریکہ میں کپڑے کی ایک بہت بڑی ریٹیل کمپنی ہے۔ اس کے بہت سے اسٹور ہیں۔ اس کا نام مروین (Mervyn) ہے۔ اس کو ملک میں پھیلے ہوئے اپنے اسٹوروں کو کپڑا فراہم کرنے کے لئے بڑے پیمانہ

پر کپڑے کی خریداری کرنی پڑتی ہے۔ یہ خریداری امریکہ کے علاوہ بہت سے باہر کے ملکوں سے بھی ہوتی ہے۔ اس کام کے لئے اس کمپنی کو ایک بائر (Fabric Buyer) درکار تھا۔ مروین نے لائق آدمی کی تلاش کے لئے کیلی فورنیا کے ایک بڑے کنسلٹنٹ (Jack H. Lane Agency) کو ہائر کیا۔

اس کمپنی نے ملک بھر میں تحقیق کر کے معلوم کیا کہ کون شخص ہے جو اس کام کے لئے موزوں ہے۔ اس کو معلوم ہوا کہ صغیر اسلم صاحب اس کام کے لئے موزوں ترین آدمی ہیں۔ اس کے بعد اس نے ان کمپنیوں کے پتے معلوم کئے جن سے صغیر اسلم کا اپنے کپڑے کی بزنس کے سلسلہ میں بار بار سابقہ پیش آتا ہے۔ جیک لین نے ان کمپنیوں سے ربط قائم کر کے ان کی رائے صغیر اسلم صاحب کے بارہ میں معلوم کی۔ ان کے جوابات کی فوٹو کاپی صغیر اسلم صاحب کو بھیجتے ہوئے جیک لین نے صغیر اسلم صاحب کو یہ پیش کش کی کہ وہ مروین کمپنی کے اس عہدہ کو قبول کر لیں۔ امریکی تاجروں نے صغیر اسلم صاحب کے بارہ میں جو رائیں دیں، ان میں سے چودہ رایوں کو میں نے پڑھا۔ چند خطوط کے بعض الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

1. One of the most astute buyers. Integrity without question. Works hard and intelligently. Far above average. Well organized. World recommend him 101%.
2. Aslam is the Number one buyer in the country.
3. He is knowledgeable, well informed and most important – uncorruptible.
4. He is fair and honest. He gets the last drop of blood for his company.
5. If he says something, you can believe him.
6. Never in my experience in the agency business have I had references that were as outstanding as the ones I received on you.

آخری ریمارک جیک لین کا ہے جس نے مختلف لوگوں سے رائیں طلب کی تھیں ــــ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص اگر لیاقت کا ثبوت دے تو وہ کس طرح ہر ملک اور ہر قوم میں اپنے لئے اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ لائق آدمی کے لئے اس دنیا میں کوئی بھی دروازہ بند نہیں۔

نومبر کے آخری دو جمعہ کی نمازیں اسلامک سوسائٹی آرنج کاونٹی کی مسجد میں پڑھیں۔ میں وہاں پہنچا

تو لوگ منتشر نظر آرہے تھے۔ اذان ہوتے ہی تمام لوگ باقاعدہ صف کی صورت میں جمع ہوگئے۔ اس طرح صف بندی کے ساتھ انھوں نے سنتیں پڑھیں۔ خطبہ کے بعد جب جماعت کھڑی ہوئی تو ہر آدمی اپنی اپنی جگہ کھڑا ہوگیا اور کسی انتشار کے بغیر اپنے آپ صفیں قائم ہوگئیں۔ صف بندی کا یہ طریقہ مجھے پسند آیا۔

دونوں جمعہ میں ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی صاحب (پیدائش ۱۹۴۳) نے انگریزی میں خطبہ دیا۔ یہاں جمعہ کی امامت انھیں سے متعلق ہے۔ مزاج اور علمی لیاقت دونوں اعتبار سے وہ اس عہدہ کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ پہلے خطبہ میں انھوں نے آخرت کی جواب دہی کے موضوع پر تقریر کی۔ دوسرے جمعہ کے خطبہ میں ان کی تقریر کا موضوع توحید تھا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان کے نزدیک سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز صرف اللہ ہے:

The ultimate concern of a Muslim is Allah.

صفی قریشی صاحب نہایت ذہین اور اسی کے ساتھ نہایت سنجیدہ آدمی ہیں۔ ان سے گفتگو کرنا میرے جیسے آدمی کے لئے ایک نہایت خوش گوار تجربہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ نہ زیادہ بولتے اور نہ غیر ضروری بات کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو ہمیشہ منطقی حدود کی پابند ہوتی ہے۔ اور ایسے آدمی ہمیشہ بہت کم پائے جاتے ہیں۔

صفی قریشی صاحب نے ایک ملاقات میں ایک انگریزی کتاب کا تذکرہ کیا۔ انھوں کہا کہ میں اس کتاب کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا، اور اس کتاب کے کئی نسخے خرید کر میں نے مختلف لوگوں کو بطور تحفہ دیا:

Islam and the Destiny of Man, by Gai Eaton George Allen & Unwin, London 1985, pp-242

میں نے اس کتاب سے دلچسپی ظاہر کی تو انھوں نے اس کا ایک نسخہ مجھے بھی دیا۔ گائی ایٹن ایک انگریز ہیں۔ وہ برٹش ڈپلومیٹک سروس میں تھے۔ اس سلسلہ میں وہ دوسرے ملکوں کے علاوہ مصر اور ہندستان میں بھی رہے ہیں۔ ٹی ایس ایسٹ (T.S. Eliot) کی فرمائش پر انھوں نے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا موضوع یہ تھا:

Eastern religions and their influence upon Western Thinkers.

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران وہ اسلام سے متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۱ میں انھوں نے مصر میں اسلام قبول کر لیا۔

اس کتاب کو میں نے دیکھا۔ میں اس کے تمام مندرجات سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ تاہم کتاب میں ایک نیا پن ہے اور وہ قابل مطالعہ ہے۔ مصنف کے نزدیک، اسلام کا خلاصہ دو چیزیں ہیں : حق اور رحمت (Truth and Mercy) تقوی کی تشریح انھوں نے ان الفاظ میں کی ہے :

...the awe-struck consciousness of God as the supreme Reality (p. 202)

۲ دسمبر کی صبح کو ایک صاحب کے یہاں ناشتہ پر کئی آدمی جمع تھے۔ ایک صاحب نے خلیج کے مسئلہ کے بارہ میں سوال کیا۔ میں نے کہا کہ اس مسئلہ میں میری وہی رائے ہے جو عام طور پر علماء کی رائے ہے۔ علماء کی رائے نہایت تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ تذکیری باتوں پر گفت گو کریں جن کے بارہ میں بہت کم گفت گو کی جاتی ہے۔

پھر میں نے کہا کہ ابھی ہم لوگوں نے ایک کھانا ختم کیا ہے۔ کھانے کے بعد کے لئے ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ الحمد للہ الذی اطعمنی و سقانی وجعلنی من المسلمین (اس اللہ کا شکر اور تعریف ہے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور جس نے مجھے پانی پلایا اور جس نے مجھے مسلمانوں میں سے بنایا)

اس دعا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی اس کے الفاظ کو یاد کر لے اور کھانے کے بعد اسے اپنی زبان سے دہرا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دعا اپنے مفہوم کے اعتبار سے مطلوب ہے نہ کہ محض اپنے الفاظ کے اعتبار سے۔ آپ اگر کسی سے کہیں کہ میرا فلاں ٹیلی فون نمبر ہے، تم اس نمبر پر مجھے کال کر لینا، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ اس گنتی کو یاد کر کے اسے اپنی زبان سے دہراتا رہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ٹیلی فون کے اوپر اس نمبر کو ڈائل کر کے آپ سے ربط قائم کرے۔

یہی دعا کا معاملہ ہے۔ آپ کو چاہئے کہ جب آپ دعا کے یہ الفاظ پڑھیں تو آپ کا ذہن

ان کے معانی کی طرف چلا جائے۔ آپ سوچیں کہ خدا نے کس طرح وہ کھانا اور پانی بنایا جو میری بھوک اور پیاس کو مٹائے اور میری زندگی کی طاقت بنے۔ جب آپ اس طرح سوچیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عظیم تخلیق کا معاملہ ہے۔ خدا نے کائناتی انتظام کے تحت نان فوڈ کو فوڈ میں کنورٹ کیا، اس نے نان واٹر کو واٹر میں کنورٹ کیا، اس کے بعد یہ ممکن ہوا کہ آپ اس کو کھائیں اور پئیں اور وہ آپ کے جسم میں داخل ہوکر آپ کا گوشت اور خون بنے۔

اسی طرح خدا نے آپ کو یہ توفیق دی کہ آپ اپنے نان اسلام کو اسلام میں کنورٹ کریں، اس کے بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کے اندر ایک اسلامی شخصیت ایمرج کرے۔ ان عظیم انعامات کا احساس جب لفظوں میں ڈھلتا ہے تو وہ مذکورہ کلمہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

لاس اینجلیز میں افرو امریکی مسلمانوں کی ایک تنظیم ہے۔ اس کا نام مسجد السلام ہے۔ اس کی طرف سے لاس اینجلیز میں ۲۳ - ۲۵ نومبر ۱۹۹۰ کو بڑے پیمانے پر ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کی تھیم یہ تھی ــــــ مسلم خاندان کس طرح بنایا جائے :

The making of a Muslim family

اس کانفرنس کے شرکاء میں امریکہ کے علاوہ دوسرے ملکوں کے ممتاز افراد کے نام بھی شامل تھے۔ مثلاً امام وارث دین محمد، پرنس محمد بن فیصل، دکتور جمال بدوی، وغیرہ۔ میں بھی اس کانفرنس میں مدعو تھا۔ اس سلسلہ میں دو دن (۲۴ - ۲۵ نومبر) لاس اینجلیز میں قیام رہا۔ قیام کا انتظام اور کانفرنس کا اجلاس دونوں کا نظم یہاں کے مشہور ہوٹل اسٹوفرس (Stouffers Hotel) میں کیا گیا تھا۔

اپنے کمرہ نمبر ۳۶۴ میں ایک روز میں نے خبر سننے کے لئے ٹی وی کھولا۔ ایک خبر صدر بُش کی خلیج سے واپسی کی تھی۔ مسٹر بش اور مسز بش ہوائی جہاز سے ہنستے ہوئے اترے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی اترا جو ان کے پیچھے چلنے لگا۔ مجھے قرآن کی وہ آیت یاد آئی جس میں بتایا گیا ہے کہ انسان تجارت اور لہو میں مشغول رہتا ہے، اور خدا کی یاد کو چھوڑ دیتا

ہے (الجمعہ) آج کا انسان اس کا مکمل مصداق ہے۔ آج کے انسان کی دلچسپی کی چیز صرف دو ہے۔ مفاد یا تفریح۔ اصل یہ ہے کہ انسان اپنے خالق اور مالک کی یاد میں مشغول ہو، مگر اس اصل مشغولیت کے لئے کسی کے پاس کوئی وقت نہیں۔

پروگرام کے مطابق ۲۵ نومبر کی شام کو میری تقریر ہوئی۔ میں نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ امریکہ کی مسلم نسلوں کے لئے تہذیبی ارتداد (cultural conversion) کا مسئلہ درپیش ہے۔ ترکی اور ہندستان اور روس میں بھی یہی مسئلہ پیدا ہوا، لیکن وہاں عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ملکوں میں یہ مسئلہ جارحانہ چیلنج کی صورت میں پیش آیا۔ اور جب کسی کو جارحانہ انداز میں چیلنج کیا جائے تو اس کے اندر مدافعانہ جذبات جاگ اٹھتے ہیں جو اس کی حفاظت کی ضمانت بن جاتے ہیں۔ امریکہ میں یہ مسئلہ اس لئے شدید ہے کہ یہاں کا چیلنج جارحانہ چیلنج نہیں۔ جارحانہ چیلنج بظاہر ایک تکلیف کی چیز ہے۔ مگر وہ زحمت میں رحمت (blessing in disguise) ہے۔

میں نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل وہی ہے جس کا مشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اسی قسم کی صورت حال میں بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا: اجعلوا بیوتکم قبلة واقیموا الصلوٰة۔ یعنی اپنے گھروں کو دینی مرکز بنالو، جو کچھ ملکی سطح پر حاصل نہیں ہے، اس کو اپنے گھر کی سطح پر حاصل کرو۔ میں نے کہا کہ اس خداوندی تدبیر کا فائدہ آپ کو صرف اس وقت مل سکتا ہے جب کہ آپ اپنا زیادہ وقت اپنے گھر اور اپنے بچوں کو دیں۔ امریکہ کے مسلم والدین عام طور پر اپنے بچوں کو ضروری وقت نہیں دے پاتے، اس لئے ان کے بچے یہاں کے کلچر میں گم ہوئے جا رہے ہیں۔ آپ کو اپنی آؤٹنگ میں کمی کرنا ہوگا۔ اور اگر آپ دو شفٹ میں کام کرتے ہوں تو ایک شفٹ میں کام کرنا ہوگا تاکہ آپ اپنی اگلی نسلوں کو بچا سکیں۔

اس وقت امریکہ کی عام صورت حال یہ ہے کہ ماں باپ اپنا زیادہ وقت گھر کے باہر گزارتے ہیں۔ وہ کام میں مصروف ہوتے ہیں یا تفریح میں۔ بچوں کے لئے ان کے پاس وقت نہیں۔ اس سلسلہ میں جو اعداد و شمار جمع کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی ماں باپ اپنے بچوں کے

لئے جو وقت دے پاتا ہے وہ ۲۴ گھنٹہ میں صرف سات منٹ ہوتا ہے۔ اور امریکی ماں جو وقت دیتی ہے وہ ۲۴ گھنٹے میں صرف تیس منٹ۔ بچے بڑے ہونے کے بعد خود بھی اپنا وقت باہر گزارنے لگتے ہیں اور چھوٹے بچے گھر میں ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں، کیوں کہ ایک امریکی کے الفاظ میں، ٹی وی ان کے لئے کبھی اتنا زیادہ مصروف نہیں ہوتا:

Because the T.V. is never too busy for them.

بچوں کی تربیت کا فطری طریقہ یہ ہے کہ گھر کے اندر اس کا نظام موجود ہو۔ لیکن گھر کے اندر چوں کہ یہاں اس کا نظام موجود نہیں، اس لئے تجارتی لوگ اس کے نام پر ادارے قائم کر رہے ہیں۔ امریکہ کے ایک میگزین میں ایک اشتہار تھا۔ یہ یوٹا (Utah) کا ایک تربیتی ادارہ ہے۔ اس کا نام ہیریٹیج اسکول (The Heritage School) ہے۔ اس کا عنوان ہے — پریشان بچوں کی مدد کرو (Help for troubled teens) اس اسکول کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خاندانی زندگی کا ہنر (family living skills) سکھاتا ہے۔

مذاہب کی انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس) تقریباً ۶۰ سال پہلے تیار کی گئی تھی۔ وہ اگرچہ کافی مستند ہے۔ مگر اب وہ قدیم ہو چکی تھی، نیز بہت باریک لیٹر میں ہونے کی وجہ سے اس کو پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اب مذاہب پر ایک نئی اور ہر لحاظ سے بہتر انسائیکلو پیڈیا تیار ہو گئی ہے:

The Encyclopadia of Religion, edited by Mircea Eliade Macmillan publishing company, New York, 1987, 16 volumes.

یہ انسائیکلو پیڈیا یہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مذاہب کے میدان میں تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

• ۲۷ نومبر کو بعد دوپہر میں اپنی قیام گاہ (ویسٹ منسٹر، کیلی فورنیا) سے ٹہلنے کے لئے باہر نکلا۔ قیام گاہ اس وقت خالی تھی۔ کیوں کہ عورت اور مرد اپنے کام پر گئے ہوئے تھے اور بچے اسکول میں تھے۔ خالی سڑک سے تنہا گزرتے ہوئے میں ایک پارک (فارسٹ ایوینو) پہنچا۔ وسیع پارک میں کچھ بڑے اور کچھ بچے دکھائی دئے۔ یہاں کوئی انسانی آواز سننے کے لئے موجود

نہ تھی۔ دور کے کسی مکان سے کتا بھونکنے کی آواز آرہی تھی اور کبھی کبھی کوئی کار قریبی سڑک سے گزر جاتی تھی۔

پارک نہایت خوبصورت تھا۔ ہندستان کے پارکوں سے وہ اتنا ہی مختلف تھا جتنا خود امریکہ ہندستان سے۔ اس کو دیکھ کر مجھے وہ خوب صورت ترپارک یاد آیا جو پچھلے دن میں نے ٹی وی میں دیکھا تھا۔ صدر امریکہ مسٹر جارج بش یہاں کا خصوصی تیوہار تھینکس گوئنگ (Thanksgiving) اپنے فوجیوں کے ساتھ منانے کے لئے خلیج عرب گئے تھے۔ واپسی میں ان کا خصوصی جہاز واشنگٹن میں اترا۔ جہاز سے نکل کر وہ ایک نہایت خوب صورت پارک سے خراماں خراماں چلتے ہوئے ایک شاندار مکان میں داخل ہو گئے۔

ٹی وی پر یہ منظر دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ موت کا فرشتہ اسی طرح ایک روز آدمی کے پاس آئے گا۔ اس کے ساتھ ایک سواری ہوگی۔ وہ آدمی کو سواری پر بٹھا کر دنیا سے آخرت کی طرف روانہ ہوگا۔ عالم آخرت میں یہ سواری یا تو ایک سرسبز پارک کے کنارے اترے گی۔ آدمی سواری سے نکلے گا اور خوشی خوشی اس پارک سے گزرتا ہوا اپنے جنتی مکان میں داخل ہو جائے گا۔ یا پھر اس کی سواری ایک خشک بیابان میں اترے گی، وہ سواری سے باہر آئے گا تو وہ پائے گا کہ وہاں اندھیروں اور خاردار وادیوں کے سوا کوئی اور چیز اس کا استقبال کرنے کے لئے موجود نہیں۔

اس وقت آسمان مکمل طور پر صاف تھا۔ سورج کی سنہری روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ پارک کے چاروں طرف سرسبز درختوں سے ڈھکے ہوئے خوبصورت مکانات دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ دنیا بے حقیقت ہونے کے باوجود اتنی زیادہ حسین ہے کہ خدا کی خاص توفیق ہی سے کوئی شخص اس کے مسحور کن فتنہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس وقت مجھے بے ساختہ فانی بدایونی کا یہ شعر یاد آگیا:

فریب جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ　　بڑی مشکل سے دل کو بزم عالم سے اٹھا پایا

اس کے بعد میں تقریباً روزانہ پارک میں جانے لگا۔ یہاں مختلف قسم کے سبق آموز تجربے ہوئے۔ ۲۸ نومبر کی سہ پہر کو میں ایک پارک میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ایک حصہ میں بچوں کے کھیل

کا ساماں لگا ہوا ہے۔ ایک سفید فام بچہ (تقریباً تین سال کا) آیا اور ایک جھولے پر چڑھ گیا۔ یہ جھولا ایسا تھا جس کو ہلانے کے لئے کوئی دوسرا آدمی درکار تھا۔ بچہ نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہا۔ ابتداءً میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے کئی بار کہا تو میری سمجھ میں آیا کہ وہ کہہ رہا ہے — چچا، مجھے دھکا دو :

Uncle, push me.

میں اس کے قریب گیا اور اس کو جھولا جھلانے لگا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے میرا نام پوچھا۔ اس نے کچھ اور کہا جو لہجہ کے فرق کی وجہ سے میری سمجھ میں نہ آسکا۔

پارک میں جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، میرے ہاتھ میں امریکہ کے ایک منتقلی میگزین سن سٹ (Sunset) کا شمارہ دسمبر ۱۹۹۰ تھا۔ اس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا تھا — مغربی طرز زندگی کا میگزین :

The magazine of Western living

۱۹۰ صفحہ کے اس انگریزی میگزین کا بیشتر حصہ اشتہارات سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا چار صفحہ (۵۷ - ۵۴) بگڑے ہوئے بچوں کے اسکول (Schools for troubled teens) کے بارہ میں تھا۔ ان صفحات میں تقریباً چار درجن ایسے اسکولوں کے اشتہارات درج تھے۔ اس وقت امریکی خاندانوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ والدین کے پاس اپنے بچوں کی تربیت اور نگہداشت کے لئے کوئی وقت نہیں۔ ان کا بیشتر وقت یا تو دفتروں میں گزرتا ہے یا اگر چھٹی ہو تو "آؤٹنگ" میں۔ چنانچہ بچے خودرو پودے کی طرح اگ رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بچوں کی پوری نسل خراب ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ اسکول ان بچوں کی پروفیشنل رہنمائی (professional guidance) کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ایک اشتہار کا مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے :

We Rescue Teenagers: The most effective option for parents who need help with teens who are – out of control, irresponsible, depressed, during and alcohol dependent, failing school, irresponsible, depressed, drug and alcohol dependent, failing school, running with the wrong friends, unmotivated, undisciplined and who lack real self-esteem.

اس قسم کے اشتہارات پڑھتے ہوئے مجھے مذکورہ سفید فام امریکی بچے کے الفاظ Uncle, push me یاد آئے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا گویا بچہ کے ان الفاظ میں نئی امریکی نسل کی روح پکار رہی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ میں دلدل میں پھنس گیا ہوں، مجھے دھکا دے کر یہاں سے نکالو۔ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کے اس سنگین مسئلہ کا حل پروفیشنل اسکول نہیں ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ امریکہ کے معاشرہ کو دوبارہ یہاں لایا جائے کہ اس کا طرز فکر بدلے۔ والدین دوبارہ بچوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ بچوں کی تربیت کا حقیقی کام صرف گھر کے اندر ہو سکتا ہے۔ وہ پروفیشنل اسکولوں میں کبھی انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں ارادہ ہے کہ انشاء اللہ خاتون اسلام جلد ہی انگریزی میں شائع کی جائے گی۔ ایک روز میں پارک میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک سفید فام امریکی بنچ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پاس جاکر میں نے کہا کہ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔ اس نے خوش دلی کے ساتھ میرے لئے جگہ خالی کر دی۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ ابتدائی رسمی باتوں کے بعد گفت گو شروع ہوئی۔

میں نے پوچھا کہ کیا آپ اسلام کے بارہ میں کچھ جانتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اسلام کے بارہ میں بہت کم جانتا ہوں۔ شاید یہ کوئی مخالف امریکہ نظریہ ہے:

I have little knowledge of Islam.
Perhaps it is a form of anti-Americanism.

میں نے کہا کہ اسلام اینٹی امریکی نظریہ نہیں، اسلام تو پرو امریکی نظریہ ہے۔ میری زبان سے یہ جملہ سن کر وہ چونک پڑا۔ اس کے دریافت کرنے پر میں نے مزید بتایا کہ اسلام کی بنیاد کسی قوم کی دشمنی یا کسی حکومت کی مخالفت پر نہیں۔ اسلام تو یہ ہے کہ ہر آدمی کو اس کے خالق سے متعارف کرے۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ہر آدمی کو اپنی زندگی میں اس خدائی طریقہ کو اختیار کرنے کی تلقین کرے جو اس کو ابدی جنت میں لے جانے والا ہے۔ اسلام آپ کا دشمن نہیں، اسلام آپ کا دوست اور خیر خواہ ہے۔ اگر آپ گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں تو آپ پائیں گے کہ اسلام اینٹی امریکن ازم کا نام نہیں، اسلام پرو امریکن ازم کا نام ہے۔ کیونکہ وہ آپ کو جنت میں لے جانا چاہتا ہے۔ (باقی)

۱ ٹائمس آف انڈیا کے تحت آنکھ کا ادارہ (ٹائمس آئی ریسرچ فاؤنڈیشن) قائم ہے۔ اس کا ایک انگریزی نیوز لیٹر چھپتا ہے جس کا نام (Nigah) ہے۔ اس کے شمارہ جنوری ۱۹۹۱ میں الرسالہ انگریزی کا ایک مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس کو اس کے صفحہ ۸ - ۱۰ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مختلف عمومی قسم کے پرچے الرسالہ کے مضامین نقل کرتے رہتے ہیں۔

۲ خواجہ کلیم الدین صاحب نیویارک میں مقیم ہیں۔ انھوں نے خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ مطلع کیا ہے کہ وہاں وہ انگریزی الرسالہ اور انگریزی لٹریچر پھیلانے میں مصروف ہیں۔ خدا کے فضل سے لوگ کافی پسند کر رہے ہیں۔ لوگ کتابیں حاصل کرکے دعوتی طور پر ان کو امریکیوں تک پہنچا رہے ہیں۔ خواجہ کلیم الدین صاحب کا خیال ہے کہ جلد ہی وہ انشاءاللہ الرسالہ انگریزی کا امریکی اڈیشن نیویارک سے چھاپنا شروع کر دیں گے۔

۳ ولی محمد انصاری صاحب نے جناب شمیمی صاحب کے تعاون سے گاڈ ارائزز کا مراٹھی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس کی چھپائی کا مرحلہ ہے۔ ان کا منصوبہ ہے کہ کتاب کے اس مراٹھی اڈیشن کو "نہ فائدہ نہ نقصان" کے اصول پر شائع کیا جائے۔ اب ان کے سامنے کتاب کی چھپائی کا مسئلہ ہے۔ اور اس کے لئے ضروری فنڈ درکار ہے۔ اس سلسلہ میں جو صاحبان تعاون کرنا چاہیں، وہ حسب ذیل پتہ پر خط وکتابت فرمائیں:

Wali Muhammad Ansari, Jawhari Manzil, Maulvigunj, Dhulia 424 001

۴ مارچ ۱۹۹۱ کو آل انڈیا ریڈیو سے صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر نشر کی گئی۔ تقریر کا موضوع تھا: رمضان کی برکتیں۔ اس تقریر میں سادہ اور مختصر انداز میں رمضان کے مہینہ کی خیر و برکت کو بتایا گیا۔

۵ بنگلور کے حلقہ الرسالہ نے مقامی دکانداروں کو تیار کیا ہے۔ وہ مرکز کی چھوٹی کتابیں

اپنے یہاں رکھتے ہیں اور ان کو اپنے خریداروں کو بطور تحفہ پیش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ دوسرے مقامات پر بھی اختیار کرنا چاہئے۔

٦ ۲۰۰ حدیثوں پر مشتمل احادیث کا ایک منتخب مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ کمانڈر یوسف خاں صاحب نے کیا ہے۔ یہ مجموعہ انشاء اللہ اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع کیا جائے گا۔

٧ بعض مقامات پر لوگ اس طریقہ کا تجربہ کر رہے ہیں کہ وہ اتوار کی صبح کو بریف کیس میں مرکز کی کتابیں لے کر لوگوں کے گھروں پر جاتے ہیں اور ان کو کتابیں دکھاتے ہیں۔ اس طرح کتابیں نئے نئے حلقوں میں پھیل رہی ہیں۔ یہ طریقہ ہر جگہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

٨ "انقلاب" بمبئی کا کثیر الاشاعت روزنامہ ہے۔ جناب محمد افضل لاڈی والا نے اس کے بہت سے شمارے بھیجے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ انقلاب میں ہر روز الرسالہ کا ایک مضمون نمایاں طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعہ سے الرسالہ کا پیغام وسیع تر حلقوں میں پہنچ رہا ہے۔ ادارہ انقلاب کا یہ تعاون قابل ستائش ہے۔

٩ ایک خاص حلقہ کے کچھ "اصاغر" صدر اسلامی مرکز کے خلاف تنقیدی مضامین اور کتابیں چھاپ رہے ہیں۔ یہ لوگ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ اس مہم میں انھیں اپنے "اکابر" کی تائید وحمایت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں صدر اسلامی مرکز نے بعض استفسارات کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تنقیدیں موجودہ حالت میں قابل اعراض ہیں۔ تاہم یہ ناقدین اگر اپنے دعوے میں صحیح ہیں تو وہ اپنے حلقہ کے بزرگ محترم کی تصدیق اپنے حق میں شائع کریں۔ اگر مولانا محترم نے ان تنقیدوں کی واضح تصدیق کر دی تو انشاء اللہ ان کا تجزیہ کیا جائے گا۔ بصورت دیگر ان کو نظر انداز کیا جائے گا۔

١٠ ایک صاحب لکھتے ہیں: خالق کائنات کا عظیم احسان ہے کہ آپ کی تحریروں کے ذریعہ اسلام کا صحیح اور بغیر آمیزش تصور ملا۔ الرسالہ پڑھنے سے زبان پر تالے پڑ جاتے ہیں۔ اور دل کھل جاتے ہیں۔ دل آخرت آخرت کہتا ہے اور زبان دوسروں کے لئے سلامتی سلامتی۔

الرسالہ اور آپ کی کتابوں نے مجھے شک وشبہات کے اندھیرے غار سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں پہنچا دیا۔ مجھے آپ کی یہ لائن یاد ہے کہ ہمیں پروگرام نہیں بنانا ہے بلکہ پروگرام ساز افراد بنانا ہے۔ مجھے یہ لکھنے میں جھجھک محسوس نہیں ہوتی کہ آپ کی تحریروں کو سمجھنے کے لئے انٹلکچول برین ہونا چاہئے۔ (الطاف حسین انجنیر، کشمیر)

۱۱ ایک صاحب لکھتے ہیں: میں الرسالہ کا تین سال سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ اللہ پاک کے کرم سے اس مشن کے ذریعہ میری زندگی خاص انداز میں ڈھل گئی۔ اعراض کے معاملہ میں وہ کچھ پایا جس کی امید نہ تھی کیوں کہ اعراض کا معاملہ پہلے سے معلوم نہ تھا۔ جو لوگ حقیقی طور پر اس خدائی پیغام کو قبول کرتے ہیں ان کی زندگی دنیاوی خوف وخطرے خالی ہوجاتی ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے کشمیر میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ الرسالہ کے مطالعہ سے روز بروز میرے اندر صبر و اعراض کی قوت بڑھ رہی ہے۔ یہ تو ایک دنیاوی طور پر فائدہ مند ثابت ہوا اور دوسرے ایمان اور یقین کے بقا کے لئے نہایت اہم ہے (حاجی رفیق احمد، کشمیر)

۱۲ "اقوال حکمت" کا ہندی اور انگریزی ترجمہ ہوگیا ہے۔ اس وقت وہ زیر طباعت ہے۔

۱۳ الرسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص اس کا قاری بنتا ہے اس کے اندر یہ جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کو پھیلائے۔ ہزاروں لوگ اس طرح الرسالہ کو خود پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی پڑھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بی امان اللہ صاحب (بنگلور) الرسالہ کے پیغام سے متاثر ہوئے تو انھوں نے اپنے حلقہ میں تقریباً تین درجن لوگوں کو الرسالہ کا خریدار بنایا۔ اس میں انگریزی ریڈر اور اردو ریڈر دونوں شامل ہیں۔

۱۴ عبد اللہ حسن چودھری صاحب (احمد نگر) لکھتے ہیں: اللہ کا فضل ہے کہ الرسالہ کے مضامین نہ صرف شہروں میں بلکہ دیہی علاقوں میں بھی ذہنوں کو اپیل کر رہے ہیں۔ اور ایک نئی ذہنی اور اخلاقی بیداری میں معاون بن رہے ہیں۔ ایک تازہ مثال یہ ہے کہ رمضان کے اوقات سحر و افطار کا ایک ہزار پمفلٹ ہمارے ادارہ کی جانب سے چھپوایا گیا۔ اس میں "اسلامی تعلیمات" سے اقتباس ہندی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ آپ کی تحریر کو اتنا پسند کیا گیا کہ دوسرے اداروں اور اشخاص نے بھی اپنی طرف سے جو سحر و افطار کے پمفلٹ چھپوائے، انھوں نے بھی اس میں یہی تحریر چھپوائی۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصّہ لینا ہے جو آج ملّت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوّت ہے اور ملّت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرِ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	۶۰ روپیہ	ایک سال	۲۵ ڈالر امریکی	۱۰ ڈالر امریکی
دو سال	۱۱۰ روپیہ	دو سال	۴۰ 〃 〃	۱۸ 〃 〃
تین سال	۱۵۰ روپیہ	تین سال	۵۵ 〃 〃	۲۵ 〃 〃
پانچ سال	۲۴۰ روپیہ	پانچ سال	۸۵ 〃 〃	۴۰ 〃 〃
خصوصی تعاون (سالانہ)	۳۰۰ روپیہ	خصوصی تعاون (سالانہ)	۱۰۰ 〃	— —

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی ۔۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا۔

RNI 28822/76 □ July 1991 No. 176 □ Rs. 5

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدّین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اول	Rs 150/-
" " جلد دوم	150/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبر انقلاب	35/-
مذہب اور جدید چیلنج	40/-
عظمت قرآن	25/-
دینِ کامل	45/-
الاسلام	35/-
ظہور اسلام	35/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاءِ اسلام	20/-
رازِ حیات (مجلد)	55/-
صراطِ مستقیم	35/-
خاتونِ اسلام	40/-
سوشلزم اور اسلام	35/-
اسلام اور عصر حاضر	25/-
حقیقتِ حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	20/-
رشدیات	
تعمیر کی طرف	8/-
راہِ عمل	25/-
تبلیغی تحریک	20/-
میوات کا سفر	30/-
اقوالِ حکمت	20/-
تعبیر کی غلطی	45/-

دین کی سیاسی تعبیر	15/-
دین کیا ہے	4/-
قرآن کا مطلوب انسان	10/-
تجدید دین	15/-
اسلام دین فطرت	5/-
تعمیر ملت	5/-
تاریخ کا سبق	5/-
مذہب اور سائنس	
عقلیاتِ اسلام	30/-
فسادات کا مسئلہ	4/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
تعارف اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	5/-
ایمانی طاقت	5/-
اتحاد ملت	5/-
سبق آموز واقعات	5/-
زلزلۂ قیامت	7/-
حقیقت کی تلاش	5/-
پیغمبر اسلام	4/-
آخری سفر	5/-
اسلامی دعوت	5/-
خدا اور انسان	5/-
حل یہاں ہے	8/-
سچا راستہ	4/-
دینی تعلیم	5/-

حیاتِ طیبہ	5/-
باغِ جنت	5/-
نارِ جہنم	5/-

الرسالہ کیسٹ

نمبر۱ ایمان	25/-
نمبر۲ جدید امکانات	25/-
نمبر۳ اسلامی اخلاق	25/-
نمبر۴ اتحاد	25/-
نمبر۵ تعمیر ملت	25/-
نمبر۶ سنتِ رسولؐ	25/-
نمبر۷ میدان عمل	25/-
نمبر۸ پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
الرسالہ مجلد فی جلد	75/-

God Arises	Rs 60/-
Muhammad The Prophet of Revolution	65/-
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Man Know Thyself!	5/-
इन्सान! अपने आपको पहचान	3/-
सच्चाई की तलाश	5/-
पैग़म्बरे-इस्लाम	3/-

U(SE)12/86

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳